فہرست مضامین

لم

سفرنامۂ روم

و

مصر و شام

2730

جس میں علاوہ اُن جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلۂ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ
بیروت بیت المقدس۔ قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی
حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتۂ تعلیم۔ دار العلوم اور مدارس۔ بورڈنگ اور طلبا کی
تربیت تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات۔ کتبخانے۔ اخبارات اور رسالے۔ مشہور پاشاؤں
اور ارباب کمال کی ملاقات۔ ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا
ہے آخر میں اُن الفاظ مولدہ کی مختصر سی فرہنگ ہے جو آجکل مصر و شام میں مستعمل ہو گئے ہیں۔
اور جن کے نہ جاننے کی وجہ سے لوگ عربی اخبارات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مُرتبہ

شبلی نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

در موسم گل۔ گر۔ بہ گلستان نرسیدیم ——— از دست ندادیم تماشائے خزاں را

رمضان المبارک ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء میں میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب علمانہ سفر تھا۔ اور چونکہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا۔ نہ واقعات سفر میں چنداں ندرت تھی۔ سفرنامہ لکھنے کا میرا ارادہ نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آکر جن بزرگوں اور دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا سب سفرنامہ کے متقاضی تھے۔ میں نے خیال کیا کہ چونکہ ایک مدت سے ہماری جماعت میں سیر و سیاحت کا طریقہ بند ہے اور اس وجہ سے اسلامی ممالک کے صحیح حالات سے بالکل اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔ لوگوں کا یہ تقاضا کچھ بیجا نہیں۔ مجھ کو خود اپنی حالت یاد آئی کہ سفر سے پہلے قسطنطنیہ وغیرہ کا کوئی سیاح ملجاتا۔ تو میں گھنٹوں وہاں کے حالات پوچھا کرتا +

یہ اسباب تھے جنہوں نے مجھ کو ان اوراق پریشان کی ترتیب پر آمادہ کیا ورنہ ایسے عاجلانہ اور معمولی سفر کے حالات قلمبند کرنے اور ان کو سفرنامہ یا کتاب الرحلت کا لقب دینا تنگ ظرفی سے خالی نہ تھا۔ سفرنامہ میں جس قسم کی اطلاعیں لازمی اور ضروری ہیں یعنی ملک کی اجمالی حالت۔ انتظام کا طریقہ۔ عدالت کے اصول۔ تجارت کی کیفیت۔ عمارتوں کے نقشے۔ ان میں سے ایک چیز بھی اس سفرنامہ میں نہیں۔ البتہ معاشرت اور علمی حالت کے متعلق معتدبہ واقعات ہیں۔ اگرچہ وہ بھی اس تفصیل کے ساتھ نہیں ہیں جس قدر ہونی چاہئیں۔ غرض جو شخص سفرنامہ کو سفرنامہ کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ جن لوگوں کو اسلامی ممالک کے معمولی واقعات میں بھی مزہ

ہمارا دراصل ... بیروت ...

آتا ہے اُن کی دعوت میں یہ ما حضر پیش کیا جا سکتا ہے کہ ما لا یدرک کلہ لا
یترک کلہ ۔

میں نے اگرچہ اس کتاب میں ترکوں کی تمدنی یا ملکی حالت سے کچھ بحث نہیں کی ہے
اور نہ اس قسم کی بحث میرے منصبی حالت کے لحاظ سے مناسب تھی۔ تاہم اس کتاب کو
پڑھ کر ناظرین کے دل میں ترکوں کی تہذیب شائستگی کا جو درجہ قائم ہوگا وہ اُس سے
مختلف ہوگا جو یورپ کے عام لٹریچر سے ظاہر ہوتا ہے ۔

یورپ نے کسی زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف جو خیالات قائم کر لئے تھے۔ ایک
مدت تک وہ علانیہ اس طریقہ سے ظاہر کئے جاتے تھے کہ مذہبی تعصب کا رنگ صاف
نظر آتا تھا اور اس وقت قبول عام کا یہی بڑا عمدہ ذریعہ تھا لیکن جب یورپ میں مذہب کا
زور گھٹ گیا۔ اور مذہبی ترانے بالکل بے اثر ہو گئے۔ تو اُس پالیسی نے دوسرا پہلو بدلا۔ اب
یہ طریقہ چنداں مفید نہیں سمجھا جاتا۔ کہ مسلمانوں کی نسبت صاف صاف متعصبانہ الفاظ
لکھے جائیں۔ بلکہ بجائے اس کے یہ دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومتوں
اسلامی قوموں۔ اسلامی معاشرت کے عیوب تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ اور
عام تصنیفات۔ قصوں۔ ناولوں۔ ضرب المثلوں کے ذریعہ سے وہ لٹریچر میں اس طرح
جذب ہو جاتے ہیں کہ تحلیل کیمیاوی سے بھی جدا نہیں ہو سکتے ۔

اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی قوموں سے برتا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم کو
خاص ترکوں سے بحث ہے۔ یورپین لٹریچر پڑھ کر ترکوں کی نسبت تحقیر کے خیالات
نہ پیدا ہونے یقیناً ایسا ہے جیسا خواب آور دوا کھا کر نیند کا نہ آنا ۔

یورپ میں مصنفین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور اس وجہ سے ان میں متعصب، نیک
دل۔ ظاہر بین۔ دقیق النظر ہر درجہ اور ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذکر میں
وہ اختلاف مدارج بالکل زائل ہو جاتا ہے اور ہر سمت سے وہی ایک صدا نکلتی ہے

مثلاً آج کل کے سچے سے سچے یورپین مصنف کی راست بیانی یہ ہے کہ وہ ٹرکی حکومت کے ذکر میں۔ قرضہ کی گرانباری۔ صنائع و فنون کا بقدر کافی موجود نہ ہونا۔ اضلاع میں تعلیم کی عدم وسعت۔ آلات و اسلحہ میں یورپ کی احتیاج۔ ان تمام امور کو بالکل... راست راست لکھتا ہے لیکن جو اصلاحیں حال میں ہوئی ہیں ان کے ذکر سے اس طرح دامن بچا جاتا ہے کہ گویا اصلاح کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ خزانہ کا انتظام تمام اضلاع میں زراعتی بنکوں کا قائم ہونا اور مدارس رشدیہ کی تعداد کا ۹۶ سے ۴۰۵ تک ترقی کر جانا بڑے بڑے کالجوں کا جاری ہونا۔ ریلوے کی وسعت۔ ادائے قرضہ کے انتظامات۔ فوجی قوت کی ترقی۔ ان واقعات کو بھول کر نہیں لکھتا +

کسی قوم یا کسی شخص کے قابل مدح یا ذم ثابت کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہے کہ اس کے حالات اور واقعات کی یک رخی تصویر کھینچی جائے اور انصاف یہ ہے کہ یورپ نے اس فریب آمیز طریقے کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ برتا ہے +

بے شبہ یورپ میں ایسے فیاض دل بھی ہیں جن کو تعصب سے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں انہوں نے پرورش پائی ہے۔ ان کے گرد و پیش معلومات کا جو سرمایہ ہے۔ جو آوازیں ہر طرف سے ان کے کانوں میں آتی ہیں۔ ان چیزوں کے مقابلے میں ان کی بے تعصبی بھی کچھ کام نہیں دیتی۔ ایک صاحب جو نہایت بے تعصب اور عام شخص ہیں اور مجھ کو ان کی خدمت میں نیاز حاصل ہے قسطنطنیہ و مصر وغیرہ کا سفر کر کے واپس آئے تو میں نے ان سے بر سبیل تذکرہ پوچھا کہ آپ نے قاہرہ میں جامع ازہر کی بھی سیر کی؟ بولے "مجھ کو اس کی سیر کا بہت شوق تھا لیکن میرے رہنما

ؔ سلطان حال کے عہد میں جو علمی اور عملی ترقیاں ہوئی ہیں۔ اس کی تفصیل میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے جو قسطنطنیہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور خاص بحری ترقیوں کے ذکر میں رسم بک آفندی کا رسالہ خاص میں شائع ہوا ہے جس کا نام "دور ترقی" ہے +

نے کہا کہ عیسائیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے"۔ اگرچہ واقعہ محض غلط ہے میں خود جامع ازہر میں ایک مہینے زیادہ مقیم رہا اور میرے عیسائی احباب بے تکلف مسجد ہی میں مجھ سے ملنے آتے تھے۔ لیکن چونکہ یورپ میں مسلمانوں کا تعصب اور تنگ خیالی علوم متعارفہ کے قریب ہے، ان صاحب کو اپنے رہنما کی بات کے یقین کرنے میں کیونکر تامل ہو سکتا تھا؟

طرہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر کچھ کہا یا لکھا تو یورپ کے نقارخانے میں اس کی آواز طوطی کی آواز سمجھی جاتی ہے۔ ایک انگلش شہزادی نے پندرہ سولہ برس قسطنطنیہ میں رہ کر دوازدہ سالہ حکومت عبدالحمید ثانی کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اگرچہ اس کے اعتبار کے لیئے مصنف کی علمی قابلیت۔ پندرہ سولہ برس کا تجربہ۔ دریافت حالات کے صحیح وسائل یہ تمام قرائن موجود تھے۔ لیکن چونکہ وہ ترکوں کی عیب گوئی میں یورپ کی ہمزبان نہ تھی اس کو استناد اور اعتماد کا درجہ نہ حاصل ہو سکا ہم نے تعلیم یافتہ اشخاص کو اس کی نسبت یہ کہتے سنا ہے کہ "عجب نہیں یہ کتاب فرضی مصنف کے نام سے خود ترکوں نے لکھی ہو یا اس انگلش شہزادی کو سلطانی انعامات نے ایسی کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن یہی کتاب اگر ترکوں کے معائب میں ہوتی تو (ان اشخاص کے نزدیک) اس کا ہر حرف قطعی و یقینی ہوتا۔ پروفیسر ومبری نے اپنے محققانہ تجربے سے ترکوں کی تہذیب و شائستگی پر جو مضامین لکھے وہ بھی اسی وجہ سے بے اثر رہے کہ پروفیسر مذکور نے ترکوں کی موجودہ علمی ترقی کا اعتراف کیا تھا۔

ترکوں کی نسبت اگرچہ یورپ کے عام لٹریچر کی یہ حالت ہے لیکن ہم کو مورخ کے لحاظ سے ترکی کے سفرناموں کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے کیونکہ یورپ کی تاریخی تصنیفات کا سرمایہ بھی بہت کچھ انہیں سفرناموں تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہے لیکن جس قدر دلچسپ ہے اسی قدر غلطیوں کے احتمالات سے مملو ہے۔

ایک بڑی غلطی جو عموماً سفرنامہ لکھنے والوں کو واقع ہوتی ہے جزئیات سے کلیات

کا قائم کرنا ہے۔ سفر میں انسان کو جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے وہ اُن کے اخلاق عادات۔ خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کر لیتا ہے۔ حالانکہ ممکن ہے کہ وہ امور انہیں چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اسی طرح ہر واقعہ سے وہ ایک عام نتیجہ نکالنا چاہتا ہے اور واقعہ کے خاص اسباب کی جستجو میں نہ وہ اپنا وقت صرف کرنا چاہتا ہے نہ اس کو اس قدر فرصت مل سکتی ہے۔

غلطی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جو شخص کسی ملک کا سفر کرتا ہے اسکی نسبت پہلے سے اُس کے خیالات دوستانہ یا مخالفانہ ہوتے ہیں۔ وہاں پہونچکر اول اول جو کچھ وہ دیکھتا اور سنتا ہے وہ محض سرسری ہوتا ہے۔ اور چونکہ ایسی اجمالی واقفیت۔ استنباط نتائج کے لئے کافی نہیں ہوتی اور وہ نتیجہ کے قائم کرنے میں دیر تک انتظار نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ہر واقعہ کے ساتھ قیاسات کو دخل دیتا جاتا ہے۔ ان قیاسات کے وقت وہ حسن ظن یا سوء ظن جو پہلے سے اُسکے دل میں موجود تھا چپکے چپکے اپنا کام کرتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اس قسم کی غلطی کا احتمال اگرچہ دنیا کی تمام قوموں سے متعلق ہے لیکن یورپ والوں کو اس میں ایک خاص ترجیح حاصل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ استنباط نتائج میں یورپ والوں کو جو بے صبری ہے۔ اور کسی قوم کو نہیں ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ یورپ کا ایک عام سیاح یا پولیٹیکل اتفاق سے ہندوستان میں آنکلتا ہے تو صرف ہفتہ دو ہفتہ کے تجربہ کی بنا پر یورپ کے اخباروں اور میگزینوں میں اس دعوے کے ساتھ بڑے بڑے آرٹکل شائع کرتا ہے کہ گویا ہندوستان کی معاشرت و تمدن کے تمام راز اُس پر کھل گئے ہیں۔

ایک اور بڑا سبب یہ ہے کہ سیاح کو چونکہ حالات کے دریافت کا نہایت شوق ہوتا ہے اس لئے وہ ہر شخص سے جو اُس کو ملجاتا ہے کچھ نہ کچھ معلومات کا سرمایہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس تعمیم میں وہ ان تحقیقات کی کہ وہ شخص ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ روشن ضمیر ہے یا متعصب۔ دقیق النظر ہے یا ظاہر بین کچھ پروا نہیں کرتا اور کرتا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یورپ والے

اس باب میں اور بھی بے اعتنائیاں ہیں۔ اکثر یورپین سیاح جو قسطنطنیہ کا سفر کرنے میں معمولاً ہوتھی اور غلطہ کے ہوٹلوں میں ان کو ٹھیرنے کا اتفاق ہوتا ہے وہ جہاں کہیں جاتا چلتے ہیں ایک گائیڈ رہنما ان کے ساتھ ہوتا ہے جو نہ صرف ان کو عمارات اور مقامات کی سیر کراتا ہے بلکہ ان کے تمام سوالات کا جو موقع بموقع وہ پوچھتے جاتے ہیں جواب دیتا جاتا ہے یہ گائیڈ عموماً عیسائی ہوتے ہیں اور روپیہ دو روپیہ روزانہ اُن کی اجرت ہوتی ہے ان گائیڈوں کی معلومات جس قسم کی ہو سکتی ہیں ہر شخص خود اس کا اندازہ کر سکتا ہے ÷

فاطمہ خانم[1] نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یورپ کی معزز خاتونیں جن سے مجھ کو ملنے کا اتفاق ہوا جب ترکی خاتونوں کے متعلق واقعات کے طور پر کچھ بیان کرتی تھیں تو مجھ کو گمان ہوتا تھا کہ یہ کسی اور قوم کا تذکرہ ہے۔ یا ناول کے طور کے قصے ہیں۔ فاطمہ خانم نے اس پر رائے دی ہے کہ "ان بے چاروں کا کچھ قصور نہیں۔ گائیڈ جو کچھ سیاحوں سے کہدیتے ہیں اُن کو یقین کرنا پڑتا ہے"۔ ہمارے دوست جو جامع ازہر کی سیر سے محروم رہ گئے تھے اُن کو بھی گائیڈ ہی نے دھوکا دیا تھا ÷

غرض یورپ کی تحریروں اور سفرناموں سے میرے سفرنامہ کا مختلف ہونا لازمی بات تھی۔ اگرچہ اس اختلاف کے اسباب کے بیان کرنے میں اس قدر اطناب۔ کہ بجائے خود ایک مستقل مضمون بنجائے موزون نہ تھا ÷

ٹرکی سفر سے جو اثر میرے دل پر ہوا۔ اس کا یہاں ظاہر کرنا چنداں ضرور نہیں اس سفرنامہ کے پڑھنے سے خود اس کا پتہ لگ سکتا ہے۔ البتہ اس قدر کہنا ضرور ہے کہ

[1] یہ ایک نہایت معزز اور تعلیم یافتہ خاتون ہے عربی فارسی ترکی کے علاوہ (جو ترکی کی مادری زبان ہے) فرنچ زبان نہایت عمدہ جانتی ہے یورپ کو ترکی خاتونوں کی نسبت جس قسم کی غلط معلومات حاصل ہیں۔ اُن کی اصلاح کے لئے اس نے ناول کے طور پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام نساء المسلمین ہے یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو گئی ہے اور امریکہ کی نمائش میں پیش ہو کر وہاں کے اہتمام سے انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا۔ اور محمدن پریس علی گڈھ میں چھپا ہے" ۱۲

سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے۔ صنعت سے اُن کو کچھ واسطہ نہیں۔ تجارت میں ان کا بہت کم حصہ ہے۔ معمولی دکاندار تک یہودی یا عیسائی ہیں۔ پرانی تعلیم نہایت ابتر ہے اور ہوتی جاتی ہے۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت یہاں ہے وہاں بھی ہے۔ پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے اور دونوں سے ملکر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا ہے۔ پرانے خیال والے ابھی تک زمانہ کی رفتار سے بے خبر ہیں۔ نئے مذاق کے لوگ جس قدر کہتے ہیں کرتے نہیں۔ ہمت۔ غیرت۔ جوش۔ عزم۔ استقلال کے بجائے کل قوم پر (من حیث الاغلب) افسردگی سی چھائی ہوئی ہے۔ جو شخص جس حال میں ہے اسی پر قانع ہے۔ موجودہ حالت تو یہ ہے۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

تمت بالخیر

حصہ

سفر کا ارادہ اور آغاز

جس زمانہ میں مجھ کو ہیروز آف اسلام کا خیال پیدا ہوا اُسی وقت یہ خیال بھی آیا۔ کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے وہ اس مقصد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہو سکتا یہی خیال تھا جس نے اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے اُن سے ایک ایسا سلسلۂ تالیف ضرور طیار ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یہ عزم مستقل ہو چکا تھا لیکن چند در چند اسباب سے دیر ہوتی گئی۔ یہانتک کہ بظاہر اسباب ناامیدی سی پیدا ہو گئی۔ اور وہ عزم ایک ضعیف سا خیال رہ گیا۔ گذشتہ سال میں عجیب اتفاقی طور پر اس ارادہ کو تحریک اور تحریک کے ساتھ تکمیل ہوئی پچھلے سال میں اکثر بیمار رہا۔ یہانتک کہ علاج سے تنگ آ کر تبدیل آب ہوا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ مکان وغیرہ کے بندوبست کے لئے الموڑہ اور کشمیر میں دوستوں کو متعدد خط لکھے اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ۔ جو مدرسۃ العلوم کے پروفیسر فلاسفی اور میرے اُستاد ہیں (میں نے اُن سے فرنچ زبان سیکھی ہے) آج ہی کل ولایت جانے والے ہیں۔ دفعتاً خیال آیا کہ مصر و روم کا سفر۔ آب ہوا کی تبدیلی۔ مسٹر آرنلڈ کا ساتھ۔ اتفاق سے یہ سامان جمع ہو گئے ہیں۔ اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ چنانچہ اُسی وقت صاحب موصوف کے پاس گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اُنہوں نے نہایت خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ جہانتک ممکن ہے سفر کے ضروری کاموں میں تم کو کافی مدد دونگا۔ اُس وقت جہاز کی روانگی کو کل تین چار روز باقی تھے احباب اور اعزہ نے سنا تو سخت متعجب ہوئے اور اکثروں نے سمجھایا کہ اس جلدی اور بے سروسامانی کے ساتھ اتنا بڑا لمبا سفر کونسی دانشمندی کی بات ہے میں نے کہا ع

ہرچہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

کالج میں گرمیوں کی تعطیل معمولاً تین مہینے کی ہوا کرتی ہے۔ مدت ملازمت کے لحاظ سے مجھ کو تین مہینے کی پریولیج رخصت کا حق حاصل تھا۔ اس طرح دونوں کو ملا کر چھ مہینے کی رخصت

چل گئی اور ۲۶- اپریل سنہ ۱۸۹۲ء کو میں علی گڑھ سے چل کھڑا ہوا۔ مسٹر آرنلڈ اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے ایک دو دن پہلے جھانسی روانہ ہو گئے تھے۔ جھانسی کے اسٹیشن سے اُن کا ساتھ ہوا۔ اور تمام راہ بڑے لطف ومسرت سے کٹی۔ مسٹر آرنلڈ نے حاجی رحمت اللہ بن داؤد کو جو بمبئی کے ایک معزز اور روشن ضمیر تاجر ہیں خط کے ذریعے سے اپنے آنے کی اطلاع دیدی تھی جس میں میری معیت کا بھی ذکر تھا چونکہ اتفاقاً ہمارے پہلے انتظام میں کسی قدر تبدیلی ہو گئی ہم لوگ تاریخ معینہ کے دو دن بعد بمبئی پہونچے۔ مسٹر آرنلڈ میرا اور اپنا اسباب لیکر وسٹن ہوٹل کو گئے۔ میں بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تم حاجی رحمت اللہ کو جانتے ہو۔ بولا کہ آپ مولوی شبلی تو نہیں ہیں۔ میں اُسکے اس تفرس پر جو کشف سے کم نہ تھا حیرت زدہ ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم دو دن سے آپکے لئے حیران ہوتے ہیں چلئے! حاجی صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حاجی صاحب نے مسٹر آرنلڈ کو بھی ہوٹل سے بلا لیا اور ہم دونوں اُن کے باغ میں ٹھیرے۔

جس روز ہم بمبئی پہونچے اُسکے دوسرے دن ہمارا جہاز روانہ ہونے کو تھا اس لئے ہم نے اپنا تمام وقت سفر کے ضروری کاموں میں صرف کیا اور بمبئی میں جو اسلامی مدرسے اور انجمنیں ہیں اُن کی سیر نہ کر سکے۔ کک کمپنی کی معرفت جہاز کا ٹکٹ لیا جس جہاز پر ہم جانے والے تھے اُس کا کرایہ پورٹ سعید تک سیکنڈ کلاس کا ۵۰۱۲ تھا میں نے یہ سخت غلطی کی کہ ریٹرن ٹکٹ نہیں لیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ واپسی کے وقت پورٹ سعید سے بمبئی تک کے لئے ۱۵۱۲ پونڈ یعنی ساڑھے ۲۲۵ دینے پڑے۔ پہلی مئی کی صبح کو نو بجے ہم جہاز پر سوار ہوئے۔ قریباً بارہ بجے جہاز نے لنگر اٹھایا۔ اور ہم نے بسم اللہ مجریها ومرسها۔ پڑھ کر ہندوستان کو خدا حافظ کہا سیکنڈ کلاس میں صرف پانچ مسافر تھے اور یہ عجیب اتفاق کہ سب کے سب مختلف قوم اور مختلف نسل سے تھے یعنی ایک مسلمان۔ ایک انگریز۔ ایک پارسی۔ ایک اسپینرڈ۔ ایک سیاحی۔

جہاز کی حرکت اوّل اوّل تو چنداں ناگوار نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن شام کے قریب طبیعت

متغیر ہونی شروع ہوئی۔ رات کا کھانا کھا کر سو رہے۔ صبح کو آنکھ کھلی تو عجیب کیفیت تھی۔ دورانِ سر اور متلی کی ایسی سخت تکلیف تھی جو کسی طرح بیان میں نہیں آ سکتی۔ دو دن غشی کی سی حالت رہی۔ جہاز کا ملازم کبھی کبھی نارنگیاں لاتا تھا۔ کہ کچھ کھا لو۔ لیکن ان چیزوں کے دیکھنے سے اُبکائی آتی تھی۔ مسٹر آرنلڈ چائے پی لیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہضم نہیں ہوتی تھی لیکن قے کرنے سے طبیعت ہلکی ہو جاتی تھی۔ ان کے اصرار سے میں نے بھی دو ایک بار چائے پی کر قے کی اور فائدہ محسوس ہوا۔ تیسرے دن ہم سب اُٹھ بیٹھے۔ ہم سنا کرتے تھے کہ سمندر کی ہوا تندرستی کے لئے نہایت مُفید ہے۔ درحقیقت جہاز کا سفر سوء مزاجوں کا ایک علاج ہے۔ میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک ضعیف اور مضمحل تھا۔ لیکن روز بروز چاق و چُست ہوتا گیا۔ طبیعت کو ہر وقت نشاط رہتا تھا اور بھوک خوب لگتی تھی۔ ہم لوگوں کو پانچ وقت کھانا ملتا تھا۔ یعنے صبح کو آٹھ بجے چائے۔ دودھ۔ بسکٹ۔ گیارہ بجے معمولی کھانا۔ جس میں متعدد قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ایک بجے ٹفن۔ پانچ بجے ڈنر جس میں معمولی گوشت کے علاوہ مرغ۔ بط۔ کبوتر۔ ہر قسم کی پڈنگ تر اور خشک میوے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی برف کی قفلیاں بھی ہوتی تھیں۔ رات کو نو بجے چائے اور مکھن۔ ہر وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھاتے تھے اور سب ہضم ہو جاتا تھا +

میں تمام دن دریا کے سیر و تماشے میں مشغول رہتا تھا۔ مسٹر آرنلڈ نے عربی پڑھنی شروع کر دی تھی۔ ہمارے ساتھ جو اسپین کا عیسائی تھا مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھنے سے بہت جلتا تھا۔ اکثر اُن کے پاس آتا اور تحقیر کے ساتھ عربی حرفوں کو نہایت بُرے لہجہ سے ادا کرتا اور کہتا کہ یہ زبان اونٹوں کی زبان ہے۔ اگرچہ مجھ کو اُس کی اِن حرکتوں سے رنج ہوتا تھا لیکن جو قوم ایک مدت تک ذلت کے ساتھ عرب کے زیردست رہ چکی تھی عرب اور عربی زبان کے ساتھ اُس کا یہ سلوک بیجا نہ تھا +

چونکہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جہاز پر پرند جانور ذبح نہیں کئے جاتے اور مولوی سمیع اللہ خاں صاحب نے اپنے سفرنامہ میں تجربہ سے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ میں نے دو تین روز تک پرند کے گوشت کھانے سے پرہیز کیا مسٹر آرنلڈ نے مجھ سے اس کا سبب دریافت کیا میں نے کہا کہ ہمارے مذہب میں منخنقہ حرام ہے۔ بولے کہ اس جہاز پر ذبح کئے جاتے ہیں۔ گردن مروڑ کر مارے نہیں جاتے۔ چونکہ شرعاً ان کی تنہا شہادت کافی نہ تھی۔ میں خود گیا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ ذبح کرنیوالا عیسائی تھا وہ ذبح کرنے کے وقت کچھ پڑھتا نہ تھا۔ صرف گردن پر چھری پھیر دیتا تھا۔ اگرچہ حنفیوں کے ہاں یہ ذبیحہ حلال نہیں لیکن اس مسئلہ میں چند دنوں کے لئے میں شافعی بن گیا تھا جن کے ہاں ہر طرح کا ذبیحہ جائز ہے +

جہاز پر مسٹر آرنلڈ وہ آرنلڈ نہیں رہے تھے جو علی گڈھ میں تھے۔ نہ وہ متانت تھی نہ وہ کم آمیزی۔ اکثر ہنسی مذاق کیا کرتے بچوں سے کھیلتے اور جہاز کی چھت پر اچھلتے کودتے چلتے۔ میں نے حالات سفر کے متعلق ایک قصیدہ لکھنا شروع کر دیا تھا اور درحقیقت سمندر کی فضا کچھ ایسی دلچسپ اور نشاط انگیز ہے کہ موزون طبع آدمی جہاز کے سفر میں خواہ مخواہ گنگنا اٹھتا ہے +

۷ مئی ۱۸۹۲ء کو جہاز عدن پہنچا اور کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر لنگر انداز ہوا۔ عدن میں بڑی دلچسپی یہ ہے کہ سمالی قوم کے بہت سے لڑکے ڈونگیوں پر سوار جہاز کے قریب آتے ہیں اور جہاز والوں سے انعام لینے کے لئے عجیب عجیب مبتذل حرکتیں کرتے ہیں۔ کچھ ناچتے گاتے ہیں۔ کچھ آپس میں ملکر چند بے معنی الفاظ کہتے ہیں اور بغلیں بجاتے جاتے ہیں۔ بڑا کمال یہ ہے کہ لوگ دوانی۔ چونی۔ پیسے جو کچھ انعام دینا چاہتے ہیں۔ سمندر میں پھینک دیتے ہیں اور وہ غوطے مار کر نکال لاتے ہیں۔ اکثر انگریز اس تماشے میں مصروف تھے اور آرنلڈ کو بھی اس میں مزا آتا تھا لیکن میری کچھ اور حالت تھی چونکہ غلطی سے میرا یہ خیال تھا کہ یہاں عموماً عرب آباد ہیں۔ اس لئے یہ طبعی بات تھی کہ میں

پرند جانور ذبح کئے جاتے ہیں

عدن اور سمالی قوم کی حرکات

اُن کو عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا۔ لیکن وہ انعام لینے کے لئے ایسی مبتذل ناموزوں اور حقیر حرکات کرتے تھے کہ کسی طرح طبیعت کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا عبرت ہوتی تھی کہ عرب کی اب یہ حالت ہے کہ غیروں کے سامنے اس قسم کی حرکات سے اُن کو شرم نہیں آتی۔ ان خیالات سے بے اختیار میرا دل بھر آتا تھا یہاں تک کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکلا کہ قمر یا عمر۔ آرنلڈ پاس تھے میری تغیر حالت پر ان کو خیال ہوا میں نے دل کی کیفیت اور اُس کا سبب بیان کیا۔ ایک بار آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور چپ ہو رہے ہے شہر میں جا کر جب میں نے تحقیق کی اور تمام باتوں سے ثابت ہو گیا کہ سمالی قوم عرب نہیں ہے تو مجھ کو کسی قدر تسکین ہوئی۔ یہی غصہ اور رنج تھا جس کی وجہ سے میں نے قصیدہ سفریہ میں اس کمبخت قوم کی سخت ہجو کی ہے اور درحقیقت وہ اس کے مستحق ہیں ۔

چونکہ وقت کم تھا۔ اس لئے میں شہر کے اندرونی حصے کو نہ دیکھ سکا۔ ہندوستان کو خط روانہ کئے۔ ایک خط کے سرنامے پر یہ اشعار لکھے جو اُسی وقت موزوں ہوئے تھے۔

چوں کمر بستم بعزم ایں سفر از روی عزم	دشمن و ہم دوست را در پیچ و تاب انداختم
ہر کسے را بس شگفت آمد کہ حاصل چیست ازیں	تا چرا خود را بدیں سال در عذاب انداختم
ہر یکے پندم ہمے داد و ہمے گفتے کہ من	زیں سخن از عارض معنی نقاب انداختم
چوں لجاجت راز حد بُردند گفتم بس کنید	ہر چہ بادا باد من کشتی در آب انداختم

عدن کی زبان عموماً عربی ہے۔ اور پارسی۔ ہندو۔ بنگالی۔ جو تجارت یا نوکری کے ذریعے سے یہاں رہتے ہیں بے تکلف عربی بولتے ہیں۔ چونکہ میں نے کبھی کسی ہندو کی زبان سے اس مقدس زبان کے الفاظ نہیں سُنے تھے۔ بنیوں اور بقالوں کو این تروح ۔ ما تبغی بولتے دیکھکر عجیب مزہ آتا تھا۔

یہاں کی زبان گو عربی ہے۔ لیکن نہایت بیہودہ اور غیر فصیح ہے۔ اگرچہ آج کل تمام ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے۔ قدیم عربی نہیں رہی۔ لیکن عدن کی

زبان سب سے نرالی ہے۔ دو چار معمولی الفاظ کے سوا میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ غالباً یہاں کی زبان ایک مدت سے اجنبیوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہوتے ہوتے اس حالت کو پہنچی ہے علامہ مقدسی جو عرب کا ایک نامور سیاح گزرا ہے اور جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا تھا اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ "عدن میں جو قومیں بستی ہیں ان میں زیادہ اہل فارس ہیں"۔ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا کہ یہاں عموماً جیم کے بجائے کاف بولتے ہیں اور جلیہ کے بجائے رجلینہ وعلی ہذا"۔ جب علامہ موصوف کے عہد میں یہ حال تھا تو مرہٹوں اور گجراتیوں کے اختلاط کے بعد یہاں کی زبان کی نسبت کیا شکایت ہو سکتی ہے۔

عدن میں ایک جرمنی ہمارے جہاز پر سوار ہوا۔ جو جرمن کے مشہور عجائب خانہ کا ملازم ہے۔ اور مدت تک ان اطراف میں رہ کر یورپ کو واپس جا رہا ہے سیاحی و تجارت کی بدولت وہ متعدد زبانوں میں بے تکلف بات چیت کر سکتا ہے جب وہ جہاز کے افسروں سے اٹالین میں آرنلڈ سے انگریزی میں مجھ سے عربی میں گفتگو کرتا تھا تو مجھ کو سخت تعجب اور رشک ہوتا تھا۔ کھانے کی میز پر جب ہم سب جمع ہوتے تھے تو یہی ایک شخص تھا جو سب کا ترجمان بنتا تھا۔ اس نے عرب و افریقہ کے جنگلوں سے بہت سے عجیب و غریب جانور بہم پہنچائے ہیں۔ ایک بڑے پنجرے میں افریقہ کے بندر تھے جنکی ہیئت معمولی بندروں سے کچھ الگ تھی۔ ان میں زیادہ تر تعجب انگیز یہ بات تھی۔ کہ جب وہ کسی کو اپنی طرف آتا دیکھ کر غل مچاتے تھے۔ تو ان کی آواز سے بعض حروف مفہوم ہوتے تھے میں نے اولاً خیال کیا کہ ہم لوگ جس طرح مثلاً بلی کی آواز کو میاؤں سے تعبیر کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کے فرضی الفاظ ہیں۔ لیکن چند بار میں نے غور سے سنا تو صاف صاف ل اور یا کی کی آواز محسوس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص پردے سے سنتا تو ہرگز خیال نہ کر سکتا کہ بندر کی آواز ہے میں نے مسٹر آرنلڈ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی

عجیب و غریب بندر

تصدیق کی۔ غالباً اسی قسم کی مثالوں سے یورپ میں بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا
ہے کہ بندر بھی بول سکتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک صاحب نے مدت کے تجربے
اور تحقیق کے بعد اس زبان کے چند حروف دریافت کئے ہیں +

عدن سے چونکہ دلچسپی کے نئے سامان پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے ہم بڑے
لطف سے سفر کر رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی دن ایک پُرخطر واقعہ پیش آیا جس نے
تھوڑی دیر تک مجھ کو سخت پریشان رکھا۔ ۱۱ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اُٹھا تو ایک
ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم
گھبرائے پھرتے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انجن بالکل بیکار ہو گیا
تھا۔ اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا۔ میں سخت گھبرایا اور
نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا دوڑا ہوا
مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اُس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ۔ کتاب کا مطالعہ کر رہے
تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے! بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا
ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے!
فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے۔ اور
ایسے قابلِ قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔ اُن کے استقلال اور جرأت سے
مجھ کو بھی اطمینان ہوا آٹھ گھنٹے کے بعد انجن درست ہوا اور بدستور چلنے لگا +

۱۳ مئی کو جہاز سویز پہنچا اور تین چار گھنٹے کے لئے ٹھہرا مصری عرب پنیر کھجور۔
روٹیاں بیچنے کے لئے لائے۔ ان میں سے ایک نے مجھ کو ہندوستانی خیال کرکے اُردو میں
باتیں کرنی شروع کیں۔ مجھ کو تعجب ہوا۔ اور جب دریافت سے معلوم ہوا کہ اس نے کبھی ہندوستان
کی صورت نہیں دیکھی۔ تو اُردو کی عالمگیری پر مجھ کو اور بھی تعجب ہوا۔ ۱۴ مئی کو ہم پورٹ سعید
پہونچے اور نہایت افسوس کے ساتھ مجھ کو مسٹر آرنلڈ سے جدا ہونا پڑا بمبئی سے میں نے برنڈزی

تک کا ٹکٹ لیا تھا۔ پورٹ سعید پہونچکر یہ خیال ہوا کہ برنڈزی تک تو آرنلڈ کا ساتھ ہے
لیکن وہاں سے قسطنطنیہ تک ایک ہفتہ کا سفر ہے۔ اتنی مدت تک محض اجنبیوں سے سابقہ اور
زبان اور ملک کی اجنبیت کی وجہ سے ہر کام میں دقت ہوگی۔ اس خیال کی بنا پر میں نے
پہلی اسکیم بالکل بدلدی اور ارادہ کر لیا کہ **شام** کے راستے سے قسطنطنیہ جاؤنگا +

جہاز نے جس وقت لنگر کیا۔ کک کمپنی کا ایک ملازم اپنے مسافروں کی خبرگیری کے
لئے جہاز پر آیا۔ جہاز کنارے سے ذرا فاصلہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ اس لئے مسافروں کے
اُتارنے کے لئے کک کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی ہمیشہ طیار رہتی ہے۔ ان
بندرگاہوں میں جہاز سے اُترنے کے وقت ناتجربہ کار آدمی کو سخت مصیبت پیش آتی
ہے جہاز کے لنگر کرنے کے ساتھ قلی اور ملاح ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور مسافروں
کو سخت پریشاں کرتے ہیں۔ ان کے ہجوم، شوروغل اور اسباب کی چھینا جھپٹی میں۔
مسافر بالکل بدحواس ہو جاتا ہے۔ ہزار دقت کنارے پر پہونچا تو گھنٹوں کرایہ کی بحث
اور تکرار رہتی ہے۔ ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ کک کمپنی کے
ملازموں کے سوا۔ اور کسی سے کچھ واسطہ نہ رکھے +

ہم کنارے پر پہونچے تو شیمویل نے جو پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا بڑھکر
ہم سے شیک ہینڈ کی۔ یہ شخص قوم کا یہودی ہے اور کک کمپنی کی طرف سے مسافروں کی
خبرگیری اور ہر قسم کی مدد دینے کے لئے متعین ہے۔ وہ متعدد زبانیں جانتا ہے اور
بالخصوص عربی۔ انگریزی۔ فرنچ۔ نہایت بے تکلفی سے بول سکتا ہے لطف یہ ہے کہ
اُردو میں بھی نہایت آسانی سے بات چیت کر سکتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک
مدت تک ہندوستان میں رہ چکا ہے ہم اُس کے ساتھ دفتر میں گئے۔ دفتر کا مکان
برلب دریا ہے اور میز کرسیوں سے اچھی طرح آراستہ ہے۔ میز پر ہمیشہ بہت سے
اخبارات موجود رہتے ہیں۔ جن میں زیادہ تر جہازوں کے متعلق خبریں اور اشتہارات

ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم نے اس سے ٹکٹ بدلوانے کی بابت گفتگو کی یعنی یہ کہ اگر ہم یہاں اُتر جائیں اور قسطنطنیہ کا نیا ٹکٹ لیں تو جو زائد کرایہ ہم برانڈزی تک دے چکے ہیں وہ مجرا مِل سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ وہ خود اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا کمپنی کے بڑے دفتر میں گیا اور وہاں سے واپس آکر کہا کہ تم اُسی ٹکٹ سے قسطنطنیہ جا سکتے ہو۔ صرف دو پونڈ یعنی ۳۲ روپے اور دینے ہونگے میں بہت خوش ہوا اور اس کارگزاری کے صلے میں آٹھ روپے اس کے نذر کئے۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ قسطنطنیہ جانے والا جہاز اُس وقت طیار تھا ورنہ پندرہ دن تک پورٹ سعید میں ٹھیرنا پڑتا۔

پورٹ سعید ایک چھوٹا سا خوبصورت بندرگاہ ہے۔ آبادی کے دو حصے ہیں جو حصہ دریا سے متصل ہے اس میں عموماً یورپین سوداگر رہتے ہیں اور نہایت بڑے بڑے ہوٹل۔ قہوہ خانے اور تھیٹر وغیرہ ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا کے کنارے پر ہے اور بہت ہی پُرفضا ہے۔ نہایت ترتیب کے ساتھ سنگ مرمر کی تختے کی چھوٹی چھوٹی میزیں اور اُن کے گرد کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ قہوہ۔ چائے۔ توس۔ مکھن۔ ہر وقت طیار رہتا ہے۔ اِس حصے میں کثرت سے دکانیں ہیں اور نہایت شاندار اور آراستہ ہیں۔ دوسرے حصے میں زیادہ تر یہاں کے اصلی باشندے سکونت رکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ تمام چیزیں نہایت پست حالت میں ہیں ہوٹل کے بجائے باورچیوں کی کثیف دکانیں ہیں۔

اوّل اوّل جب میں اِس شہر کی سیر کو نکلا تو ہر چیز کو بڑے شوق اور استغراب کی نگاہ سے دیکھتا تھا کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سلطنت اسلام کی آبادی دیکھی (حرمین شریفین کی زیارت گو اس سے پہلے مشرف ہو چکا تھا لیکن وہ خدا کا ملک ہے۔ اور میں دنیوی سلطنت اور حکومت کا ذکر کر رہا ہوں) جب کوئی بلند اور شاندار عمارت دیکھتا تو اس خیال سے خوش ہوتا کہ الحمد للہ ان ملکوں میں مسلمان خوشحال اور دولتمند ہیں لیکن دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ کسی یورپین سوداگر کا مکان ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی عمدہ دکان یا بلند عمارت کسی مسلمان

پورٹ سعید

کی نہ تھی۔ افسوس ؏ بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست + البتہ یورپین آبادی کے خاتمے پر ایک شاہی مسجد ہے اور وہ بہت پر رفعت اور شاندار ہے +

تھوڑی دیر بازار میں پھر پھرا کر قسطنطنیہ جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ شیمول اور مسٹر آرنلڈ ساتھ تھے۔ چونکہ بیت المقدس کے حج کا زمانہ تھا۔ اس لئے فرسٹ اور سکنڈ دونوں درجے عیسائی حاجیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مسٹر آرنلڈ نے کہا مجھ کو ڈر ہے کہ تم کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ لوگ مذہب کے سخت پابند ہیں اور اس لئے ضرور ہے کہ ان میں تعصب ہو تم غیر مذہب غیر قوم۔ تمہاری معیت ان کو کیونکر گوارا ہو گی لیکن مجھ کو تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹر آرنلڈ کا خیال صحیح نہ تھا۔ وہ لوگ پابند مذہب تھے۔ لیکن فرنچ اور اٹالین تھے۔ انگریز نہ تھے اس لئے کم آمیزی اور فاتح و مفتوح کا امتیاز جو فاتح قوم کی مخصوص صفتیں ہیں اُن میں بالکل نہ تھیں مسٹر آرنلڈ تھوڑی دیر کے بعد رخصت ہوئے۔ میں نے اُن کو خدا حافظ کہا اور ساتھ ہی یہ فکر پیدا ہوئی کہ دیکھئے تنہائی میں اب کیونکر گزرتی ہے +

۱۵ مئی کو جہاز یافہ پہونچا۔ ہمارے اکثر یورپین ہم سفر یہاں اُتر گئے۔ بیت المقدس یہاں سے صرف رات بھر کا راستہ ہے۔ چونکہ وقت کم تھا۔ اس لئے میں یہاں اُتر نہ سکا +

۱۶ مئی کو بیروت پہنچے۔ یہاں جہاز عموماً دو پہر سے کم نہیں ٹھیرتا چونکہ یہ ایک تاریخی مقام اور نہایت قدیم شہر ہے اس لئے میں اُس کے دیکھنے کا بہت شائق تھا۔ کنارے پر پہنچکر بڑی دقت پیش آئی۔ کہ وہاں تذکرہ یعنی پروانہ راہداری کے بغیر کسی کو اُترنے نہیں دیتے تھے میں ہندوستان سے اس عجلت میں چلا تھا کہ پاسپورٹ لینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پہلے تو میں بہت گھبرایا کہ افسوس یہ سیر مفت میں رہی جاتی ہے۔ لیکن پھر خیال آیا اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں یہاں ٹھیرنا نہیں چاہتا صرف سیر کرنی مقصود ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے خدا جانے کیونکر پہچانا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ غریب الوطن سمجھ کر مہربانی کی اور ایک آدمی ساتھ کر دیا۔ کہ یہ شہر کی سیر کرا دیگا +

بیروت کی سیر

چونکہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کہ قسطنطنیہ سے واپس آتے ہوئے یہاں دو ایک روز قیام کرونگا۔ اس لئے اس دفعہ صرف سرسری طور پر بازار وغیرہ کی سیر کی۔ کتابوں کی دکانیں دیکھیں۔ گزرگاہ عام پر ایک قہوہ خانہ تھا۔ تھوڑی دیر تک وہاں ٹھیرا۔ اور راہ چلتوں کا تماشا دیکھتا رہا جب کوئی شخص شان شوکت کے ساتھ گاڑی یا گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا۔ تو میں اپنے رہنما سے پوچھتا کہ کون ہے؟ اور اکثر وہ یہ جواب دیتا کہ "عیسائی"۔

یہاں سب سے زیادہ مجھ کو یہ بات پسند آئی۔ کہ تمام دکاندار اور پیشے والے حتیٰ کہ قلی اور مزدور بھی نہایت خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ تین چار گھنٹے ادھر ادھر پھر کر واپس آیا۔ ایک اٹھنی رہنما صاحب کی نذر کی اور ان سے رخصت ہو کر جہاز پر پہونچا۔

پورٹ سعید سے حالت سفر میں ایک تغیر

پورٹ سعید سے سفر کی حالت میں جو تجدد ہوا وہ یہ تھا۔ کہ بمبئی سے پورٹ سعید تک جہاز پر کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہاں پہنچکر دو ایک مسلمان نظر آئے اور بیروت میں تو سارا جہاز شامی عربوں سے بھر گیا۔ بدقسمتی سے فرسٹ اور سکنڈ کلاس کو تو یہ عزت نصیب نہیں ہوئی لیکن تیسرے درجے میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان تھے۔ میں شروع سفر سے مسلمانوں کی صورت کو ترس گیا تھا۔ یہ مجمع دیکھ کر حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ فرسٹ کلاس کی چھت نہایت صاف اور پر فضا جگہ تھی اور میں اکثر وہیں بیٹھ کر دریا کی سیر کیا کرتا تھا لیکن جب یہ صحبت نصیب ہوئی تو میں نے بھول کر بھی ادھر قدم نہیں رکھا۔

اول اول مجھ کو ان لوگوں سے میل جول پیدا کرنے میں سخت دقت پیش آئی۔ یہ لوگ چھت پر جا بجا پھیلے ہوئے تھے اور دو دو چار چار آدمیوں کی الگ الگ جماعتیں تھیں میں بڑے شوق سے ان کے پاس گیا لیکن وہ مطلقاً متوجہ نہ ہوئے جس شخص کے پاس کھڑا ہوا اس نے ایک بار آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھا اور گردن نیچی کر لی۔ مجھ کو اس بد اخلاقی پر سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتا تھا کہ عربوں کی مہمان نوازی کی یہ کچھ تعریفیں سنی تھیں، ان کو تو بات چیت میں بھی مضائقہ ہے۔ ان میں مدرسہ حربیہ کے چند طلبا تھے جو رخصت لیکر

وطن میں آئے تھے اور اب قسطنطنیہ جا رہے تھے وہ کبھی دل بہلانے کے لئے عربی دیوان پڑھا کرتے تھے میں نے خیال کیا کہ ہمفنی کے ذریعے سے تعارف پیدا کروں چنانچہ اُن کے پاس گیا اور دخل در معقولات کے طور پر اپنی مولویت اور علمیت جتانی شروع کی۔ وہ اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے میں اپنا سا منہ لیکر چلا آیا۔ لیکن مجھ کو یقین تھا کہ اس واقعہ کا ضرور کوئی خاص سبب ہے اتفاقاً ایک موقع پر ایک شخص نے میرا مذہب پوچھا میں نے کہا "اسلام" بولا لا واللہ اھنٰ ا طربوش المسلم" یعنی ہر گز نہیں کہیں مسلمان بھی ایسی ٹوپی اوڑھتے ہیں"۔ بدقسمتی سے میرے سر پر ایرانی ٹوپی تھی اور اس وجہ سے تمام عرب مجھ کو مجوسی سمجھتے تھے۔ یہ معما جب حل ہوا۔ تو میں نے اُن لوگوں کے دل سے اس بدگمانی کو رفع کر دیا۔ اور پھر وہ ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ایک دم کو مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مدرسہ حربیہ کے طلباء سے زیادہ صحبت رہتی تھی قسطنطنیہ کے متعلق میں نے بہت سی ضروری باتیں اُن سے دریافت کیں اور درحقیقت ان معلومات سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا

اس بات کا اثر کہ اب ہم اسلامی دنیا میں ہیں جہاز پر بھی محسوس ہوتا تھا بمبئی سے سویز تک تھرڈ کلاس کے مسافروں کے ساتھ قلیوں کی طرح برتاؤ کیا جاتا تھا لیکن ان ممالک میں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ جہاز کے افسر اور ملازم جو عموماً یورپین ہیں ان مسافروں کو دل میں جو کچھ سمجھتے ہوں لیکن ظاہر میں ان سے کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتے تھے متعدد موقعے پیش آئے جنمیں میں نے دیکھا کہ زیادتی مسلمانوں ہی کی طرف سے ہوتی تھی لیکن افسران جہاز کو اغماض کرنا پڑتا تھا۔

۱۷ مئی کو جہاز سائپرس پہونچا۔ یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے جو بحر روم میں واقع ہے اور جسکو عربی میں قبرس کہتے ہیں یہ جزیرہ اسلام کی قدیم فتوحات کی یادگار ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۷ھ میں امیر معاویہ نے اس پر حملہ کیا شہر والوں نے اس پر صلح کی کہ جس طرح ہم سلطنت روم کو خراج دیتے ہیں تم کو بھی سات ہزار دو سو دینار سالانہ دیا کرینگے اور تم میں اور رومیوں میں کبھی جنگ ہوگی تو ہم کو کسی سے واسطہ نہ ہوگا۔ امیر معاویہ نے یہ شرط قبول کر لی لیکن ۳۳ھ ہجری میں ان لوگوں نے خلاف عہد مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کو مدد دی امیر موصوف نے پانسو کشتیوں کے بیڑے

کے ساتھ دوبارہ چڑھائی کی اور نہایت آسانی سے فتح کرلیا۔ تاہم تعداد خراج اور صلح کی شرطیں وہی رہنے دیں۔ اُن کے حکم سے بارہ ہزار عرب وہاں جاکر آباد ہوئے اور مکانات اور مسجدیں تعمیر کیں ایک مدت کے بعد یہ جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور کئی بار فتح ہو ہو کر پھر نکل گیا۔ سب سے اخیر ترکوں نے ۱۵۷۰ء میں عیسائیوں سے واپس لیا اور اب تک انہی کے قبضہ میں تھا۔ روم و روس کے آخیر جنگ میں انگریزوں نے اس شرط پر لیا کہ سالانہ خراج جو سلطان کو ملتا تھا اب بھی ملتا رہیگا چنانچہ اب وہاں انگریزی حکومت اور انگریزی انتظام ہے +

اس جزیرہ میں لرنکہ۔ اور لاموس دو بڑے شہر ہیں اور دونوں جگہ جہاز تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے لنگر کرتا ہے۔ میں نے لاموس کی سیر کی چونکہ یہاں انگریزی حکومت ہے اس لئے راہداری کے پروانہ کی پرسش جو نہتی۔ میں داخل ہوا۔ تو میرے سر پر ایرانی ٹوپی اور بدن میں شروانی چکن بھی تھی۔ غالباً وہاں کے لوگوں نے یہ وضع کبھی دیکھی نہ تھی۔ میں جدھر سے گذرتا لوگ تعجب سے دیکھتے اور کہیں کھڑا ہو جاتا تو تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ سب سے پہلے میں جامع مسجد میں گیا۔ مسجد کے متصل ایک مکتب ہے۔ وہاں ایک مولوی صاحب جو نہایت باوقار اور خوش لباس تھے ابتدائی صفوں کو درس دے رہے تھے۔ میں نے سلام علیک کی۔ وہ کھڑے ہو گئے اور نہایت مہربانی سے سلام کا جواب دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے تپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے میں بھی انکی برابر بیٹھ گیا مولوی صاحب کے اشارے سے ایک لڑکے نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں میرے دل پر عجیب اثر ہوا خیال آتا تھا کہ کہاں وہ حجاز کا ریگستان! کہاں بحر روم کے دور دراز جزیرے! اس مقدس کلام (قرآن) میں کیا تاثیر تھی کہ مشرق سے مغرب تک بجلی کی قوت بنکر دوڑ گئی اور آج تک باقی ہے۔ وہ معصوم لڑکا خوش لحن بھی تھا۔ اور اصول قرارت کے مطابق پڑھتا تھا اتفاق سے آیتیں بھی مؤثر تھیں۔ ان باتوں نے مجھ کو بالکل مدہوش کر دیا اور دیر تک ایک عجیب حالت طاری رہی

اگرچہ پندرہ سولہ برس سے انگریز یہاں حکومت کر رہے ہیں لیکن حکمت عملی کے لحاظ سے طرز انتظام میں بہت سی قدیم باتیں قائم رکھی ہیں محکمہ قضا بالکل الگ ہے اور شرعی مقدمات کے

حکومت انگریزی کو کچھ واسطہ نہیں۔ اتفاق سے مجھ کو قاضی صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا نہایت خلیق اور باوقار آدمی ہیں تعلیم کا طریقہ بھی بالکل ترکی انتظام کے مطابق ہے تمام مکتبوں اور مدرسوں میں ترکی سررشتہ تعلیم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جس مکتب کا میں نے ابھی ذکر کیا اس میں قرآن مجید فقہ کا ابتدائی رسالہ تاریخ۔ جغرافیہ۔ درس میں داخل ہے اور تعلیم نہایت خوبی سے ہوتی ہے۔ واپسی کے وقت بھی میں اس مکتب میں گیا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور مدرس صاحب اس وقت تک تشریف نہیں لا چکے تھے دو تین لڑکے موجود تھے وہ نہایت ادب اور خوش اخلاقی سے پیش آئے ایک نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے میں نے کہا ہندوستان۔ بولا ہندوستان ایک وسیع ملک ہے۔ خاص شہر کا نام بتائیے" میں نے علی گڑھ کا نام لیا۔ کہنے لگا میں نقشے میں دیکھتا ہوں کہاں واقع ہے"۔ ہندوستان کا نقشہ سامنے آویزاں تھا۔ اس نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور فوراً علی گڑھ پر انگلی رکھکر کہا "ہاں یہ ہے"۔ اس کی عمر نو دس برس سے زیادہ نہ تھی اس لئے مجھ کو اسکی اس تیزی اور یادداشت پر تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا تمہارا بادشاہ کون ہے" بولا افندم"۔ آفندی ترکی زبان میں جناب مخدوم کے ہم معنی ہے اور جب میم متکلم کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ تو عموماً اس سے سلطان مراد ہوتے ہیں میں نے کہا "یہاں تو انگریز حکومت کر رہے ہیں"۔ بولا کہ "ہاں مستاجری کے طور پر لیا ہے اور سالانہ خراج ادا کرتے ہیں"۔ انگریزوں کی حکمت عملی نہایت دانشمندانہ ہے کہ کسی ملک پر قبضہ کرتے ہیں تو اس تدریج اور آہستگی سے کہ ملک والوں کو انقلاب حکومت کی خبر بھی نہیں ہوتی +

یہاں کی زبان ترکی ہے اور یہاں سے قسطنطنیہ تک ہر شہر اور قصبہ کی یہی زبان ہے۔ اس سے ترکوں کی حکومت کی سطوت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ممالک مفتوحہ کی زبان تک بدل دی ایشیائے کوچک اتنا بڑا وسیع ملک ہے۔ اور کثرت سے عیسائی آباد ہیں جنکی زبان کسی زمانہ میں یونانی یا لیٹن تھی لیکن اب تمام ملک میں ترکی بولی جاتی ہے۔ سیپرس کے مولوی صاحب اور قاضی صاحب جن کا میں نے ذکر کیا۔ اگرچہ عربی بخوبی جانتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے

البتہ معمولی جملے سمجھ لیتے تھے اور اسی سہارے پر میں نے اُن سے بات چیت کی تھی +

مجھ کو اس قدر قلیل زمانہ میں یہاں کے مسلمانوں کی حالت کا صحیح اندازہ تو کیا ہو سکتا تھا لیکن ظاہر طور سے قیاس ہوتا تھا کہ اچھی نہیں جس قدر بلند مکانات یا عمدہ دکانیں نظر آئیں دریافت سے معلوم ہوا کہ کل عیسائیوں کی ہیں +

۸ مئی کو جہاز رودس پہونچا اور تین چار گھنٹے ٹھیرا یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے جسکی وسعت ہمارے قدیم مورخوں نے ساٹھ میل بیان کی ہے اور جغرافیہ مترجمہ سوسائٹی علی گڑھ میں طول چالیس میل اور عرض پندرہ میل لکھا ہے یہ بھی قدیم فتوحات میں سے ہے امیر معاویہ کے عہد میں ۵۳ھ میں فتح ہوا اور اسی وقت بہت سے مسلمان وہاں جاکر آباد ہوئے۔ قدامت کے لحاظ سے میں اسکی سیر کا مشتاق تھا لیکن بدقسمتی سے رات کا وقت تھا اور جہاز والوں میں سے اور کسی نے میرا ساتھ نہ دیا۔ زیادہ بدقسمتی یہ کہ واپسی کے وقت بھی اتفاق سے یہیں سا یہ پیش آئے اور اسکی سیر سے بالکل محروم رہ گیا +

۱۰ مئی صبح کے وقت ازمیر پہونچے۔ چونکہ یہ ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے جہاز دو روز تک یہاں مقیم رہا میں اپنے شامی دوستوں کے ساتھ جہاز سے اُترا گنار در پر وہی تذکرہ دیکھنا راہداری کی آڑ پر بھی ایسی ساتھیوں کی بدولت مجھ کو چنداں زحمت نہیں ہوئی۔ یہ شہر جس کو انگریزی میں سمرنا کہتے ہیں ایشیائے کوچک کا صدر مقام ہے اور اس صوبے میں اس سے زیادہ وسیع اور آباد کوئی شہر نہیں ہے۔ قدامت اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی ایک یادگار مقام ہے۔ ہومر جو یونان کا مشہور شاعر گزرا ہے اور جسکی نسبت یورپ کا خیال ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شاعر تھا اسکی قبر یہیں ہے۔ سات مقدس گرجے جن کا ذکر انجیل کے سفر رویا میں ہے اُن میں سے ایک اسی شہر میں تھا۔ زمانہ کے انقلابات نے اسکو بیسیوں دفعہ تباہ و برباد کیا تاہم اسکی موجودہ آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے اطراف کی زمین نہایت سیر حاصل ہے اور خود شہر تجارت کا بہت بڑا مرکز ہے ہمیشہ بیسیوں دخانی اور بادبانی جہاز بندرگاہ میں موجود رہتے ہیں ریل بھی یہاں جاری ہے اور دو وقت یہاں سے ٹرین روانہ ہوتی ہے +

اسلامی آثار بکثرت ہیں۔ لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ مسجدوں کی تعداد تین سو سے

کم نہیں جن میں بعض بڑی شوکت وشان کی ہیں +

جہاز سے ہم اُترے تو نہایت بلند اور شاندار عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا جو دور تک بخط مستقیم دریا کے کنارے کنارے چلا گیا ہے۔ یہ عمارتیں ہوٹل۔ قہوہ خانے تھیٹر ناچ گھر اور عیسائی تاجروں کی دکانیں ہیں اور نہایت خوش منظر اور پُر فضا ہیں رات کے وقت ہمیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی میلہ یا شادی کی تقریب ہے۔ قہوہ خانوں اور ناچ گھروں کے علاوہ سڑک پر کثرت سے مجمع رہتا ہے اور جدھر جاؤ نغمہ و سرود کی آواز آتی ہے۔ اس سلسلہ عمارات کے عقب میں عیسائیوں کا محلہ ہے اور اس قدر بلند اور عالیشان عمارتیں ہیں کہ میں نے اب تک کہیں نہیں دیکھیں۔ اس محلہ کے تمام گلی کوچے نہایت صاف اور ہموار ہیں +

اس محلہ کی سیر سے فارغ ہو کر میں نے شہر کا رُخ کیا۔ شہر اگرچہ نہایت پُر رونق ہے اور آدمیوں کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا معلوم ہوتا ہے لیکن تمام سڑکیں ناہموار و ناصاف ہیں اور گلی کوچوں میں تو نجاست اور کیچڑ کی وجہ سے رستہ چلنا مشکل ہے حقیقت یہ ہے کہ ان تمام ممالک میں میونسپلٹی کا انتظام نہایت خراب ہے اور حکومت ترک کے لئے یہ ایک نہایت قابل لحاظ امر ہے۔ چلتے چلتے ہمارے شامی دوستوں کو بھوک لگی اور ایک نان بائی کی دکان پر جا بیٹھے۔ مجھ کو اگرچہ اشتہا نہ تھی لیکن اُنکے اصرار سے شریک ہوا۔ نان بائی کے لفظ سے ہمارے ناظرین کو ہندوستان کے نان بائیوں اور انکی ذلیل دکانوں کا خیال آیا ہوگا لیکن یہ قیاس صحیح نہیں۔ یہاں بہت معمولی سے معمولی دکان کی آراستگی کی یہ صورت ہے کہ متعدد چھوٹی چھوٹی میزیں اور اُن کے گرد کرسیاں لگی ہیں میزوں پر نہایت صاف چادر بچھی ہوئی ہے دیوار کے ایک کونے میں ٹونٹی لگی ہے اور اس کے نیچے طشت اور دائیں طرف صابون اور تولیہ رکھا ہے یہ نہایت معمولی دکانوں کی کیفیت ہے۔ اور بڑی بڑی دکانیں جن کو ہوٹل کہا جا سکتا ہے نہایت پُر تکلف اور ذیشان ہیں لیکن اس قسم کے جس قدر ہوٹل ہیں عموماً عیسائیوں کے ہیں +

میں نے مدرسوں کی سیر کرنی چاہی لیکن چونکہ جمعہ کا دن تھا تمام مدرسے بند تھے۔ نماز جمعہ

جامع حصار میں پڑھی۔ یہ مسجد پُر تکلف اور آراستہ ہے۔ چھت پر طلائی نقش و نگار ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ صحن کے دونوں طرف دو بڑے بڑے ستونوں پر گھنٹے لگے ہیں جن سے اوقات نماز

معلوم ہونیکے ساتھ مسجد کی زیبائش بھی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اسکی تقلید کیجاتی تو اچھا ہوتا
خطبۂ نماز میں یہاں بعض بدعتیں ہیں۔ مگر نہ شریعت میں انکی کچھ اصل ہے نہ بجائے خود وہ موزوں ہیں
خطیب جب خطبہ پڑھتا ہے تو بیچ بیچ میں رُکتا جاتا ہے۔ اُس وقت چند اشخاص آواز ملا کر کچھ پڑھتے
ہیں۔ یہ جب چپ ہوتے ہیں تو خطیب پھر شروع کرتا ہے اور اس طرح کئی بار اتفاق ہوتا ہے۔ نماز میں
عموماً چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں جو تین چار آیتوں سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ حالانکہ تمام دنیا میں
جمعہ کی نماز میں بڑی سورتوں کے پڑھنے کا دستور ہے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں کتبخانہ میں گیا۔ یہ کوئی بڑا کتبخانہ نہیں ہے مسجد کے کونے
میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے اور کتابوں کی تین چار چھوٹی چھوٹی الماریاں ہیں۔ نماز کے بعد اکثر علما
اور ارباب تصنیف یہاں آ بیٹھتے ہیں جس وقت میں پہونچا اصحاب ذیل تشریف فرما تھے۔ مولانا مصطفےٰ
آفندی امام جامع مسجد و مدرس مدرسہ صبری آفندی مدرس مکتب اعدادی۔ مولانا سعید شکری بک
حسنی آفندی سابق مہتمم تعلیمات۔ سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد ایک صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ ابھی
ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے تھے اگر آپ پسند کریں تو وہ مسئلہ پھر چھیڑا جائے۔ میں نے خوشی
سے منظور کیا۔ متعہ کے متعلق بحث تھی اور یہی مشہور شبہ پیش تھا کہ خود حضرت عمرؓ کے قول سے
ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمان حیات تک جاری تھا۔ میں نے
کسی قدر تفصیل سے گفتگو کی اور تمام حاضرین نے اس سے اتفاق کیا۔ یہ لوگ عربی نہیں سمجھتے
تھے۔ اس لئے میں فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ ان ملکوں میں بحث و مذاکرہ کا یہ طریقہ عموماً رائج
ہے اور نہایت شائستہ طریقہ پر ہے۔ اجنبی شخص کو علما کے گروہ سے ملنے اور اُن سے ربط و اختلاط پیدا کرنیکا
اس سے زیادہ آسان اور مفید کوئی ذریعہ نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ مناظرہ نفسانیت اور ترفع کے لحاظ سے
نہیں ہوتا بلکہ اثنائے تقریر میں اگر ان کو انداز سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مخاطب اعتراض سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا
تو قصداً دوسرا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں۔ اس قسم کی علمی مجلسیں اس سفر میں میری کامیابی کا بڑا ذریعہ تھیں اور
بعض جگہ تو انہی کی بدولت مجھ کو ایسی دشواریوں سے نجات ملی جن سے رہائی کی اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

۱۸ مئی کو شام کے قریب جہاز نے لنگر اٹھایا۔ یہاں سے قسطنطنیہ تک کوئی بڑا اسٹیشن نہیں ہے۔ بعض بعض مقامات پر جہاز تھوڑی دیر کے لئے ٹھیرا لیکن ہم اتر نہ سکے۔ یہ مقامات زیادہ تر جنگ کی ضرورتوں کے لئے ہیں اور ہر جگہ کثرت سے جنگی آلات فراہم ہیں۔ چناق قلعہ ایک مقام ہے جہاں نہایت مضبوط قلعہ ہے لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا عزم کیا تو اس وقت توپ اور گولے کا عام رواج نہ تھا۔ محمدؐ نے خود توپیں ڈھالیں اور مٹی کا گولہ بنوایا جن میں سے چند یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے سخت اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ ازمیر سے قسطنطنیہ تک دریا کے دونوں طرف ایسے محفوظ قلعے اور دمدمے طیار کئے گئے ہیں اور اس کثرت سے سامانِ جنگ موجود ہے کہ قوی سے قوی سلطنت بھی اس راستے سے دارالسلطنت پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کر سکتی۔ یہ تمام قلعے اور دمدمے محمد فاتح کے عہد کے ہیں۔ نامور شہنشاہ جب قسطنطنیہ کی تسخیر کے ارادے سے بڑھا تو راہ میں جابجا جنگی چھاؤنیاں بنوائیں اور قلعے اور دمدمے طیار کرائے لیکن یہ تمام تفصیل لوگوں کی زبانی روایت ہے میں نے تاریخ سے اسکی تصدیق نہیں کی ہے۔

چناق قلعہ سے آگے بڑھ کر ہم نے ایک عجیب تماشا دیکھا جہاز تیزی سے جا رہا تھا کہ دور سے پانی میں ایک فوارہ سا چھوٹتا نظر آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سامنے سے چار پانچ مچھلیاں جہاز کی طرف دوڑی آ رہی ہیں۔ قریب آ گئیں تو جہاز کے ساتھ ہو لیں۔ اُن کا جسم پانی کی سطح سے صاف نظر آتا تھا جہاز اگرچہ نہایت تیزی سے جا رہا تھا لیکن وہ برابر ساتھ ساتھ آتی تھیں۔ کبھی کبھی جب سانس چڑھ جاتی تھی تو بڑے زور سے پھنکار مارتی تھیں۔ اُس وقت پانی میں فوارہ سا چھوٹتا نظر آتا تھا۔ تقریباً دو تین میل تک جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑیں تمام لوگ حیرت سے تماشا دیکھتے تھے۔ بعضوں کو خیال ہوا کہ ان مچھلیوں نے کبھی جہاز کی صورت نہیں دیکھی تھی اس لئے اُسکو کوئی جانور سمجھیں اور مقابلے کے جوش میں چاہتی تھیں کہ جہاز اُن سے بڑھنے نہ پائے۔ واپسی کے وقت بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اور اس وقت دریافت سے معلوم ہوا کہ اس مقام پر ایک دفعہ اتفاق سے یہ مچھلیاں آ گئی تھیں اور جہاز کے ملازموں نے انکے لئے کھانے کی کوئی چیز دریا میں ڈال دی تھی۔ اُسی کی طمع پر جب کوئی جہاز اِدھر سے گذرتا

ہے تو اکثر یہ مچھلیاں آجاتی ہیں اور دور تک جہاز کے ساتھ دوڑتی ہیں +

۱۴ مئی صبح کے وقت قسطنطنیہ پہونچے۔ جہاز نے لنگر کیا یہ ایسا وقت تھا کہ مجھ کو منزل مقصود پر پہنچنے کی نہایت خوشی ہونی چاہئے تھی لیکن قلیوں اور ملاحوں کے ہنگامے اور شور وغل میں میرے حواس جاتے رہے۔ ملاحوں نے تمام جہاز گھیر لیا۔ ان کے شور وغل اور کشاکش سے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے پہلے سے کچھ طے نہیں کیا تھا۔ اور نہ کر سکتا تھا کہ جہاز سے اتر کر کہاں جاؤں۔ ہوٹل میرے مناسب حال نہ تھا اس کی وجہ آگے چل کر معلوم ہوگی) اور سراؤں پر ناواقفیت کی وجہ سے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ سخت مصیبت یہ ہوئی کہ شامی احباب جن سے ہر قسم کی مدد کی توقع ہو سکتی تھی ان کو کالج میں پہونچنے کی جلدی تھی اس لیئے وہ میرا انتظار نہ کر سکے۔ مجھکو اکیلا پا کر ملاحوں اور قلیوں نے اور بھی دق کرنا شروع کیا۔ میرا اضطراب اس خیال سے اور بڑھتا جاتا تھا کہ جہاز پر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے یہ دقت ہے تو شہر میں کیا حال ہوگا؟ اس لیت ولعل میں زیادہ دیر ہوتی جاتی تھی اکثر مسافر جہاز سے اتر گئے اور اترتے جاتے تھے۔ آخر خانساماں کو اسباب سپرد کیا اور اس سے کہا کہ میں شہر کی سیر کر کے واپس آتا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ پہلے شہر میں جا کر قیام کا کچھ انتظام کر آؤں تب اسباب جہاز سے اتاروں۔ شام کے چند عربوں نے ایک کشتی کرایہ کی تھی میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ کنارے پر تذکرہ کی پرسش ہوتی تھی۔ میں نے انگریزی چٹھیاں دکھائیں لیکن وہ پاسپورٹ مانگتے تھے۔ غرض بہزار دقت رہائی ہوئی۔ اب حیران تھا کہ کہاں جاؤں ایک شامی عرب جسکا نام عبد الفتاح تھا کشتی میں تعارف ہو گیا تھا۔ میں نے ان سے اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ "آپ مجھ کو کوئی معقول طریقہ بتائیں"۔ انھوں نے کہا کہ "میری حالت بھی تمہارے قریب قریب ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں ساتھ رہیں"۔ یہ طریقہ اگرچہ احتیاط کے خلاف تھا لیکن ناواقفیت اور اجنبیت زبان کی وجہ سے مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔ اور سچ پوچھیے تو یہی اتفاقی معیت میری تمام کامیابیوں کا دیباچہ تھی +

یہاں مسافروں کے ٹھہرنے کے چند طریقہ ہیں۔ سب سے زیادہ اطمینان اور آرام تو ہوٹلوں میں ہے لیکن اولاً تو انکا کرایہ ایک پونڈ یعنی ۱۵ روپے روزانہ سے کم نہیں۔ دوسرے اکثر بلکہ قریباً تمام عمدہ ہوٹل یورپین آبادی میں ہیں جو استنبول سے دور ہے اور جامع مسجدیں کتب خانے۔ مدرسے۔ مکاتب جس قدر ہیں سب استنبول میں ہیں +

ہوٹل کے بعد خانات یعنی سرائیں ہیں لیکن یہ سرائیں ہندوستان سے کچھ نسبت نہیں رکھتیں یہاں بڑی بڑی سراؤں میں جس قدر کمرے ہوتے ہیں عموماً وسیع اور پر فضا ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت لوازمہ کا پلنگ۔ توشک۔ چادر۔ لحاف اور اور ضروری چیزیں مہیا رہتی ہیں۔ ایک ایک کمرے میں کئی کئی پلنگ ہوتے ہیں۔ فی پلنگ آٹھ دس آنہ کرایہ ہوتا ہے +

تیسرا طریقہ کرایہ کے مکانات ہیں یہ مکانات اکثر دو منزلے سہ منزلے ہوتے ہیں ہر حصے میں متعدد کمرے اور ہر کمرے میں میز کرسی۔ کوچ۔ لیمپ۔ فرش۔ پلنگ۔ توشک لحاف تکیہ مہیا رہتا ہے۔ کرایہ فی کمرہ دس روپیہ ماہوار سے بیس تیس تک ہوتا ہے۔ ان مکانوں کے مالک یا اجارہ دار عموماً عیسائی ہیں۔ وہ خود بھی انہیں مکانوں میں رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے مسافروں کو بہت کچھ آرام ملتا ہے +

اگرچہ جیسا میں نے ابھی بیان کیا کرایہ کا مکان لینا زیادہ آرام کا طریقہ تھا لیکن میں اور میرے شامی دوست دونوں اس طریقہ سے ناواقف تھے اس لئے ایک خان یعنی سرائے میں جا کر ٹھیرے۔ اس انتظام کی طرف سے اطمینان ہوا تو جہاز پر جا کر اپنا اسباب اٹھا لایا چھ سات دن تک ہم اس خان میں رہے پھر باب عالی کے پاس ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے لیا +

خوش قسمتی تھی کہ شیخ عبدالفتاح جن کے ساتھ میں نے زبردستی دوستی پیدا کی تھی بڑے معزز خاندان کے آدمی نکلے دمشق میں حضرت خالد نقشبندی ایک بزرگ گزرے ہیں جن کے ساتھ یہاں کے لوگوں کو اس قدر ارادت ہے کہ ان کا نام نہیں لیتے بلکہ حضرت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بزرگ ہمارے خاک ہندوستان کے تربیت یافتہ یعنی حضرت مرزا

جان جاناں دہلوی کے مرید تھے شیخ عبدالفتاح انہیں کے بھتیجے ہیں۔ اور اس تعلق سے لوگ انکی قدر و منزلت کرتے ہیں چونکہ قسطنطنیہ میں شامیوں کا ایک بڑا گروہ ہے دو ہی چار روز میں شیخ عبدالفتاح کی اکثر لوگوں سے شناسائی ہوگئی اور اُن کے ذریعے سے مجھ کو بھی اُن لوگوں سے تعارف ہو گیا

ایک دن شیخ علی ظبیان جنکے والد ایک مشہور صوفی ہیں۔ شیخ عبدالفتاح سے ملنے آئے میں بھی اُس وقت موجود تھا اور اتفاق سے رسالہ اسکات المتعدی جو میری قدیم تصنیف ہے اور عربی زبان میں ہے سامنے رکھا ہوا تھا انہوں نے اُٹھا کر دیکھا اور کہا کہ "آہا یہ رسالہ مدت ہوئی ہیں نے دمشق میں اپنے شیخ کے پاس دیکھا تھا تو انہوں نے اُسکے مصنف کی نسبت کہا تھا "شکر اللہ مساعیہ" شیخ علی ظبیان کو جب معلوم ہوا کہ وہ رسالہ میری ہی تصنیف ہے تو اُٹھ کر بڑی گرمجوشی سے ملے اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آئے مجھ کو اس بات سے کہ میری ناچیز تصنیف یہاں تک پہنچی۔ اور لوگوں نے اس کو نگاہ قبول سے دیکھا نہایت مسرت ہوئی اور سفر کی اس بیری میں اتنا ذریعہ تعارف بہت غنیمت معلوم ہوا۔ شیخ علی ظبیان نوجوان آدمی ہیں۔ فقہ کی تحصیل شیخ عبدالرحمن سے کی ہے جو مصنف ردالمحتار (مشہور بہ شامی) کے نواسے اور شاگرد تھے۔ اگرچہ اُن کو اکثر علوم متداولہ میں دخل ہے لیکن ادب میں زیادہ مہارت ہے ایک غیر منقوطہ قصیدہ سلطان کی مدح میں پیش کیا تھا جس پر اُن کو صلہ و انعام بھی عطا ہوا مدت سے درویش پاشا کے مہمان ہیں اور پاشائے موصوف اُن کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ رکھتے ہیں مجھ سے ان کا تعلق روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ باوجود بعد مسافت قریباً ہر روز میرے مکان پر تشریف لاتے اور کبھی کبھی تمام دن میرے پاس رہتے شیخ عبدالفتاح چند روز کے بعد دمشق کو واپس چلے گئے۔ اس وقت تنہائی میں شاید مجھ کو تکلیف پہونچتی لیکن شیخ علی ظبیان کی غمگساریوں نے تمام تردوات دل سے دور کر دئے ۔

مکان جو ہم نے کرایہ پر لیا تھا۔ اگرچہ نہایت خوش فضا اور موزون تھا لیکن چونکہ مکان کا مالک عرب تھا نہایت بدمعاملہ اور آوارہ مزاج تھا چند روز کے بعد میں نے دوسرا

مکان کرایہ پر لیا اور اخیر تک وہیں رہا۔ یہاں مکان کی خوبی کے ساتھ بڑا آرام یہ تھا کہ مالک مکان ایک نیک مزاج عورت تھی۔ اگرچہ اُس کا مذہب عیسائی تھا اور قوم کی اٹالین تھی تاہم بقدر ضرورت عربی بول لیتی تھی اور مسلمانوں سے ایک خاص اُنس رکھتی تھی ؛

کھانے پینے کے انتظام کی ہم کو کچھ ضرورت نہ تھی۔ ہوٹل اور دکانیں کثرت سے ہیں اور نہایت مرتب اور پُر تکلف ہیں۔ بازار میں کھانا یہاں مطلق عیب نہیں میں نے اکثر معزز عہدہ داروں کو ہوٹلوں میں کھاتے دیکھا۔ یہ ہوٹل عموماً عیسائیوں کے ہیں مسلمانوں کی دکانیں بجز اسکے کہ میز و کرسی وہاں بھی ہوتی ہے۔ باقی اور باتوں میں ہندوستان کی دکانوں سے مشابہ ہیں۔

جہاز پر جو میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا تھا قسطنطنیہ پہونچکر تمام ہوا۔ اس میں سفر کے حالات کا اجمالی خاکہ ہے۔ اور چونکہ ناظرین تمام حالات کی تفصیل سے واقف ہوکر قصیدہ کے قصہ طلب حوالے بخوبی سمجھ سکیں گے اور اُن کو زیادہ لطف و مزہ آئیگا۔ میں اس قصیدہ کو بتمامہ یہاں نقل کرتا ہوں ؛

قصیدہ

بہر تکمیل فن و بہر پے تحصیل عبر ۔۔۔ روز گاریست کہ میداشتم آہنگ سفر
فارغ از حج و زیارت چو مرا کرد خدائے ۔۔۔ خواستم تا بسوئے روم شوم راہ سپر
گرچہ من گرم طلب بودم و بس مستعجل ۔۔۔ لیک تاخیر ہمی رفت بفرمان قدر
دیر آں مایہ شد آخر کہ حسوداں گفتند ۔۔۔ کہ فلاں جز ہوس خام ندارد در سر
روم گوئی دو سہ گام است کہ ایں خام طمع ۔۔۔ بے تکلف بسفر چست ببست است کمر
رہ چنیں دور و دراز و سفر ایں مایہ خطیر ۔۔۔ چوں میسر شود آں را کہ نہ زور است و نہ زر
من دریں غصہ و غم خون جگر می خوردم ۔۔۔ ناگہاں شاہد مقصود در آمد از در
اتفاقے عجبے گشت مرا عقدہ کشائے ۔۔۔ کہ از و وہم و گماں نیز نمے داشت خبر
یک دو دہ بیشتر ک زانکہ زنم کوس رحیل ۔۔۔ بودم از زحمت تپ خستہ دل و تفتہ جگر

چون ستوه آمدم از تپ بدل آمد که مرا ‌ چاره جز نقل مکان هیچ نباشد ایدر
عزم دیرینه بیاد آمد و گفتم چه خوش است ‌ کہ بیک حیله دو تا کار برآرد داور
آرنلڈ آنکه رفیق است و هم استاد مرا ‌ هم درین عرصه بانگلنڈ همی خواست سفر
گفتم این صحبت و این واقعه نادر افتد ‌ بس بعزم سفر از جائے بجستم مضطر
چون ازین داعیه مردم همه آگه گشتند ‌ هم بیاران و عزیزانِ وطن رفت خبر
همه را مهر بجنبید و بدرد آمد دل ! ‌ جمله گفتند که این زحمت بیصرفه مبر
دل بهجران منه و رسم وفا را مگذار ‌ ور نخواهی که کشی پائے ازین راه گزر
روزکے چند بیاسائے و پیش ساز بده ‌ ساز و برگ سفر آن گونه که باشد درخور
با خود از نقد و هم از امتعه آں مایه بگیر ‌ که اگر دیر بمانی نبود هیچ خطر
مصلحت نیست که این راه تو تنها سپری ‌ لاجرم خادمکے نیز بهمراه ببر
گفتم این جمله که گفتید بود عین صلاح ‌ لیک طالب نبود در گروِ نفع و ضرر
مرد این مرحله گامے که فرا پیش نهاد ‌ باز پس مے نه کشد گر همه مرگ آرد بر
الغرض از رمضان بست و ششم بود که من ‌ گرم برخاستم از جائے و شدم راه سپر
اوفتادم بره کوه و بیابان یک چند ‌ پس بکشتی بنشستم من و یارانِ دگر
زحمتے صعب کشیدیم بکشتی دو سه روز ‌ بسکه از موج بهر لحظه شدی زیر و زبر
کس نیارست سرش باز گرفت از بالین ‌ کس نیارست جدا کردنش از بستر
نبود مایۂ آزار بکشتی چیزے ‌ غیر ازین محنت سه روزه کزو نیست مفر
نان خورش بود ز هر گونه مهیا مارا ‌ از کباب بره مرغ و مے و نقل و شکر
گرچه من زاں می پالوده نیالودم لب ‌ دیگراں لیک علی الرغم زدندے ساغر
هفتم ماه مئی چوں برسیدیم عدن ‌ کشتی آسود و بلنداخت زمانے لنگر
من فرود آمدم و روزے بشهر آوردم ‌ تا خبر جویم ازیں مملکت از بدو و حضر

کوهساریست که هر چند بلندست و فراخ — لیک از سبزه و گل نیست درو هیچ اثر
هر کجا میگذری ریگ روانست و خزف — هر طرف می نگری خاک سیاهست و حجر
گبر و ترسا که نزیل اند درین بقعه همه — بزبان عربی حرف زنندی یکسر
مردم شهر که خود را به سمالی نامند — حیوان اند نه بل از حیوان هم بدتر
خوار و بدبخت و تبه کار و سیه چرده و زشت — سفله و ممتهن و کج روش و بدگوهر
خویشتن را به عرب بسته و حاشا که عرب — این چنین خوار و زبون شان به پسندد داور
چون زبان همه تازی بود و هم چو عرب — نام شان بسته بود با لقب جد و پدر
عامیان در غلط افتند و گمان باز برند — که مگر در نسب و نسل ز معد اند و مضر
تخم و هم ریشهٔ این نخل ز خاک حبش است — که درین جا سبب بار آمد و افشاند ثمر
شامگه کشتی ما باز برفتار آمد — تا بیک هفته گذر کرد ز بحر الاحمر
به سویز آمد و استاد و چنان زود گذشت — که ز کیفیت و حالش نشدم هیچ خبر
این همان نهر عجیبست که زینسان کاری — جز در افسانهٔ پارین نه شنیدیم دگر
بست فرسنگ درازست و به پهنا چندان — که دو وابور توانند ازو کرد گذر
مردی از اهل فرنسا که لسپس نام است — زده این نقش و ز قضای جهان گشت شمر
آن خردور چو در آغاز بدعوی برخاست — که توان آمدن از عهدهٔ این کار بدر
مردمان سخره گرفتندش و گفتند که این — هرزه هست که فرزانه ندارد باور
از مئی چاردهم بود که در پورٹ سعید — برسیدیم و نشستیم به وابور دگر
در میان من و ارنلڈ بیفتاد فراق — زانکه راه من و او گشت جدا زین معبر
پورٹ جاییست که تا چشم نگه کار کند — زورق و کشتی و وابور بود سرتاسر
صد بیه بینی که برافراشته اینجا رایت — صد بیه بینی که در انداخته آنجا لنگر
شامگه کشتی ما باز روان گشت و گذشت — از ره یافه و پس کرد به بیروت مقر

من بیا جلی شدم و مروی از بناے حلب
خوب جائیست کہ ناخواستہ دربازد دل
سطحی خرم و سیرے خوش و جائے دلکش
گبر و مسلم ہمہ خوش جامہ و موزون اندام
جا بجا شان بعرب ماند و در زی دلباس
چوں بروں رفتم ازیں جا سے و ازاں چارہ نبود
از مسی شانزدہم بود کہ گشتیم رواں
ایں ہماں جائی تو بیست کہ در عہد آں
حالیا دولت انگلند گرفتش از ترک
مسجد جامع و ایوانگہ قبرس دیدم
رودُس و سکز بره آمد وزاں پس آزمیر
من سوی شہر رواں گشتم و یک یک دیدم
فرض آدیستہ ادا کردم و از بعد نماز
مجلسے از فقہا بود دراں جا و بہم
زاں یکے رو بمن آورد کہ چونی چہ کسے
گفتم از ہندم و از خوان ادب زلہ رباے
گفت حالا سخن از متعہ ہمی رفت و تو ہم
من بیا شیخ در معنے زدم و ستمحان
پس ز از میرواں گشتم و در عرض دو روز
مختصر گفتہ ام ایں حرف و تو ہم میدانی
ہر کہ جویا بود از حال من و حسلہ من

ہمرہم گشت و بہر ناحیہ ام شد رہبر
ہر کہ سوز بدلش دارد و دردی بجگر
راہ ہموار و زمین پاک و مکان خوش منظر
خاص و عامی ہمہ گلگوں تن و زیبا پیکر
ہیچ فرقے ز مسلمان نبود تا کافر
پیش سے رفتم و بازم بقفا بود نظر
پس بہ قبرس برسیدیم بہنگام سحر
سپہ رفت بتسخیرش و زد فال ظفر
لیک با صلح نہ از یاورے تیغ و تبر
سیر ایں بقعہ مرا بس عجب افزود عبر
گشتے استادہ بہ ازمیر و شبی بردہ بسر
مسجد و مکتب و بازار درہ و کوچہ و در
در کتب خانہ سلطانیم افتاد گزر
بحث از متعہ ہمی رفت و ہم از قول عمر
تا چرا بر زدہ دامن محنت بہ کمر
طرفے مے بردم از ہر جہت و ہر کشور
گر توانے سخنے گو سے و شلے آور
لب بتحسین بکشادند پس از بحث و نظر
طے شد ایں راہ و بپایان برسید ایں سفر
کہ دریں بادیہ بس تنگ بود راہ گزر
باید ش گفت کہ ایں نظم بخواند یکسر

قسطنطنیہ کی اجمالی تاریخ اور مختصر حالات

قبل اسکے کہ میں یہاں کے تفصیلی حالات جدا جدا عنوان سے بیان کروں ضرور ہے - کہ
نہایت مختصر طور پر اسکی قدیم تاریخ اور اس کے ساتھ اسکی عام موجودہ حالت اجمال کے ساتھ
بیان کروں - اس شہر کی ابتدائی تاریخ یہ ہے جب بزنطاین کے نام سے پکارا جاتا تھا نہایت
قدیم ہے - بن زمانے سے اس کا نام قسطنطنیہ ہے اسکو بھی کچھ کم عرصہ نہیں گزرا - ۳۳۰ء میں قسطنطین اعظم
نے اسکی بنیاد ڈالی اور اس وقت سے محمد فاتح کے زمانے تک وہ قیصران روم کا پایہ تخت تھا - انگریزی اور
حال کے انگریزی اور حال کے اسلامی جغرافیوں میں اسکے حالات نہایت تفصیل سے ملتے ہیں - قدیم
اسلامی جغرافیوں میں بھی اس کا ذکر ہے لیکن ابن بطوطہ کے سوا جہ کو کوئی اسلامی مصنف معلوم نہیں جس نے اس
زمانے کے واقعات چشم دید لکھے ہوں ابن بطوطہ نے ۷۳۳ھ میں اس شہر کو دیکھا اس وقت یہاں
عیسائی حکومت تھی وہ لکھتا ہے کہ "یہ نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نہر کے حائل ہونے کی وجہ سے دو
حصوں میں منقسم ہو گیا ہے - ایک حصہ جو شہر کے شرقی کنارے پر ہے استنبول کہلاتا ہے اور قیصر روم
اور ارکان دولت و امرا اسی حصے میں رہتے ہیں - دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے موسوم ہے -
اس میں عموما یورپ کے بڑے بڑے تاجر رہتے ہیں جن کو قیصر بر دراپنا محکوم سمجھتا ہے - ابن بطوطہ
نے ان سوداگروں کی وسعت تجارت کی تعریف اور انکے بخیلے پن کی ہجو کی ہے وہ لکھتا ہے
کہ جب میں اس شہر میں داخل ہوا تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے علاوہ قریبا سو بڑے بڑے
جہاز موجود تھے لیکن تمام بازار نہایت گندے اور کثیف ہے اور گرجے تک اس سے مستثنے نہیں؟
مسلمانوں نے قرن اول ہی میں اسکو حسرت کی نگاہ سے دیکھا تھا چنانچہ سب سے اول جس
نے اسکی شہر پناہ کے آہنی دروازے پر تلوار ماری وہ عبداللہ بن المطلب خلیفہ ولید بن عبدالملک
کا سپہ سالار تھا اسکے بعد اور خلفا و سلاطین نے بھی اس پر حملے کئے - لیکن قیصران روم
کا خاتمہ محمد فاتح کے ہاتھ سے ہونا لکھا تھا جس نے ۸۵۷ھ میں اس عظیم الشان

دار السلطنت پر صلیب کے بجائے علم اسلام بلند کیا۔ اس حیرت انگیز معرکہ کی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ عیسائیوں نے بندرگاہ کا راستہ دریا کی طرف سے روک رکھا تھا۔ ترکوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے درمیان جو سنگلاخ زمین ہے اس پر پانچ میل تک لکڑی کے تختے بچھا دیئے اور جہازوں کو جن میں پہیے لگائے تھے اس پر چلا کر تمام فوجیں گولڈن ہارن میں اتار دیں۔ اس وقت اس نامور فاتح کی عمر کل ۲۲ برس کی تھی۔ اس فتح کا مادہ تاریخ "بلدۃ طیبۃ" ہے۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ آبنائے باسفورس کی شاخ جو دور تک چلی گئی ہے یہ شہر اس کے دو کناروں پر آباد ہے اور اس وجہ سے اس کے دو حصے بن گئے ہیں۔ ایک حصہ استنبول کہلاتا ہے اور تمام بڑی بڑی مسجدیں، کتب خانے، سلاطین کے مقبرے اسی حصہ میں ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی بھی کثرت سے یہیں ہے۔ دوسرا حصہ پیرہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے انتہائی جانب پرنکطاش وغیرہ واقع ہیں جہاں سلطان کا ایوان شاہی اور قصر عدالت ہے۔ پیرہ کی دوسری طرف غلطہ ہے اور چونکہ تمام بڑے بڑے یورپین سوداگر اور سفرائے سلطنت یہیں سکونت رکھتے ہیں اس کو یورپین آبادی کہنا زیادہ مناسب ہے۔

کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی شہر قسطنطنیہ کی برابر خوش منظر نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ منظر کے لحاظ سے اس سے زیادہ خوشنما ہونا خیال میں بھی نظر نہیں آتا۔ اسی لحاظ سے اس کی بندرگاہ کو انگریزی میں گولڈن ہارن یعنی شاخ زرین کہتے ہیں۔ کہیں کہیں دریا کے کنارے پر عمارتوں کا سلسلہ ہے اور دور تک چلا گیا ہے۔ عمارتوں کے آگے جو زمین ہے وہ نہایت ہموار اور صاف ہے اس کی سطح سمندر کی سطح کے بالکل برابر ہے اور وہاں عجیب خوشنما منظر پیدا ہو گیا ہے۔

شہر کی وسعت اور تمدن کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خاص استنبول میں پانچ سو جامع مسجدیں۔ ۱۸۰ حمام۔ ۳۴۲ سرائیں۔ ۱۹۴ مدارس قدیم۔ ۵۰۰ مدارس جدیدہ۔ ۱۲ کالج۔ ۴۴ کتب خانے۔ ۳۶ خانقاہیں۔ ۲۸ چھاپے خانے ہیں کاروبار اور کثرت آمد و رفت کی یہ کیفیت

ہے کہ متعدد ٹرامِ سے گاڑیاں۔ بلا دخانی جہاز۔ زمین کے اندر کی ریل۔ معمولی ریلیں ذو جوہر
آدھ گھنٹے کے بعد چھوٹتی ہیں ہر وقت چلتی رہتی ہیں اور باوجود اسکے سڑکوں پر پیادہ پا چلنے
والوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ہر وقت میلہ سا معلوم ہوتا ہے غلطہ اور اسٹنبول کے درمیان
میں جو پل ہے اُس پر سے گزرنے کا محصول فی شخص ایک پیسہ ہے اسکی روزانہ آمدنی پانچ چھ
ہزار روپے سے کم نہیں ہے +

قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں میرے تخمینہ میں چار پانچ ہزار سے کم نہ ہونگے بعض
بعض نہایت عظیم الشان ہیں جنکی عمارتیں شاہی محل معلوم ہوتی ہیں۔ قہوہ خانوں میں ہمیشہ ہر
قسم کے شربت اور چاے و قہوہ وغیرہ تیار رہتا ہے۔ اکثر قہوہ خانے دریا کے ساحل پر اور
بعض عین دریا میں ہیں جنکے لئے آ[illegible] کا پل بنا ہوا ہے۔ قہوہ خانوں میں روزانہ اخبارات
بھی موجود رہتے ہیں۔ لوگ قہوہ پیتے جاتے ہیں اور اخبارات دیکھتے جاتے ہیں۔ قسطنطنیہ
بلکہ ان تمام ممالک میں قہوہ خانے ضروریات زندگی میں محسوب ہیں۔ میرے عرب احباب
جب مجھ سے سنتے تھے کہ ہندوستان میں اس کا رواج نہیں تو تعجب سے کہتے تھے بابش یمضون
یعنی وہاں لوگ جی کیونکر بہلاتے ہیں ان ملکوں میں دوستوں کے ملنے جلنے اور گرمی صحبت
کے موقعے یہی قہوہ خانے ہیں +

افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو ان باتوں کا ذوق نہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ ہر
قسم کی عام صحبتیں زندگی کی دلچسپی کے لئے کس قدر ضروری ہیں۔ اور طبیعت کی شگفتگی پر ان کا
کیا اثر پڑتا ہے۔ دوستانہ مجلسیں ہمارے ہاں بھی ہیں جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی دوست کے
مکان پر دو چار احباب کبھی کبھی مل بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس طریقے میں دو بڑے نقص ہیں۔
اولاً تو تفریح کے جلسے پُر فضا مقامات میں ہونے چاہئیں کہ تازہ اور لطیف ہوا کی وجہ سے
صحت بدنی کو فائدہ پہونچے۔ دوسرے سخت خرابی یہ ہے کہ چونکہ یہ جلسے پرائیوٹ جلسے ہوتے ہیں
اس لئے اُن میں غیبت شکایت اور اس قسم کی لغویات کے سوا اور کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ بخلاف

قہوہ خانوں کے جہاں مجمع عام کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کا موقع نہیں ملسکتا قسطنطنیہ اور مصر میں یا میں ہمیشہ شام کے وقت دوستوں کے ساتھ قہوہ خانوں میں بیٹھا کرتا تھا لیکن میں نے کبھی اس قسم کے تذکرے نہیں سُنے تفریح اور بذلہ سنجی کے سوا وہاں کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ ہو سکتا تھا +

یورپین اور ایشیائی تمدن کے نمونے

قسطنطنیہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی کو یورپین اور ایشیائی تمدن کی تصویر ایک مرقع میں دیکھنی ہو تو یہاں دیکھ سکتا ہے۔ کتب فروشوں کی دکانوں کی سیر کرو تو ایک طرف ایک نہایت وسیع دکان ہے۔ سنگ رخام کا فرش ہے۔ شیشہ کی نہایت خوبصورت الماریاں ہیں کتابیں جس قدر ہیں مجلد اور جلدیں بھی معمولی نہیں بلکہ عموماً مطلا و مذہب۔ مالک دوکان میز کرسی لگائے بیٹھا ہے۔ دو تین کمسن خوش لباس لڑکے ادھر اُدھر کام میں لگے ہیں۔ ہم نے دکان میں قدم رکھا ایک لڑکے نے کرسی لا کر سامنے رکھدی اور کتابوں کی فہرست حوالہ کی۔ قیمت فہرست میں مذکور ہے اور اس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں +

دوسری طرف سڑک کے کنارے چبوتروں پر کتابوں کا بیقاعدہ ڈھیر لگا ہے زمین کا فرش اور وہ بھی اس قدر مختصر کہ تین چار آدمی سے زیادہ کی گنجایش نہیں۔ قیمت چکانے میں گھنٹوں کا عرصہ درکار ہے +

اسی طرح ہر پیشہ و صنعت کی دکانیں۔ دونوں نمونہ کی موجود ہیں۔ عام صفائی اور زیب و زینت کا بھی یہی حال ہے غلطہ کو دیکھو تو یورپ کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ دوکانیں بلند اور آراستہ سڑکیں وسیع اور ہموار۔ کیچڑ اور نجاست کا کہیں نام نہیں۔ بخلاف اسکے استنبول میں جہاں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی ہے اکثر سڑکیں ناصاف اور بعض بعض جگہ اس قدر ناہموار کہ چلنا مشکل +

اختلاف حالت کی وجہ۔

اس شہر میں آکر ایک سیاح کے دل میں غالباً جو خیال سب سے پہلے آتا ہو گا وہ یہ ہو گا کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے دو حصوں میں اس قدر اختلاف حالت کیوں ہے۔ چنانچہ میرے دل میں سب سے پہلے یہی خیال آیا میں نے اس کے متعلق بہت کچھ بحث و تفتیش کی باشندوں

کے اختلاف حالات کا سبب تو میں نے آسانی سے معلوم کر لیا یعنی مسلمانوں کا افلاس اور دوسری قوموں کا تمول۔ لیکن سڑکوں اور گزرگاہوں کی ناہمواری و غلاظت کا بظاہر یہ سبب قرار نہیں پا سکتا تھا اس لئے میں نے ایک معزز ترکی افسر یعنی حسین حسیب آفندی پولیس کمشنر سے دریافت کیا انھوں نے کہا کہ ہماری میونسپلٹی کے ٹیکس بہت کم ہیں۔ بہت سی چیزیں محصول سے معاف ہیں۔ لیکن غلطہ میں یورپین سوداگر خود اپنی خواہش سے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں اس لئے میونسپلٹی ان رقموں کو فیاضی سے صرف کر سکتی ہے مجھے خیال ہوا کہ یہ وہی غلطہ ہے جسکی نسبت ابن بطوطہ نے نجاست اور میلے پن کی سخت شکایت کی ہے یا اب ان کو صفائی و پاکیزگی کا یہ اہتمام ہے کہ اس کے لئے بڑے بڑے ٹیکس ادا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ صفائی اور خوش سلیقگی آج کل یورپ کا خمیر بن گیا ہے ⁂

عماراتوں کی وضع

یہاں کی عمارتیں ہندوستان کی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ چومنزلہ ہیں۔ صحن مطلق نہیں ہوتا۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے امراء اور پاشاؤں کے محل بھی لکڑی ہی کے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مہینہ بلکہ ہفتہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جل کر تباہ نہ ہوں اور کبھی کبھی تو محلے کے محلے جل کر

آتش زدگی

خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ آگ بجھانے کے لئے سلطنت کی طرف سے نہایت اہتمام ہے کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں۔ ایک نہایت بلند منارہ بنا ہوا ہے جس پر چند ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ جس وقت کہیں آگ لگتی دیکھیں فوراً خبر کریں۔ اس قسم کے اور بھی چھوٹے چھوٹے منارے جا بجا بنے ہوئے ہیں جس وقت کہیں آگ لگتی ہے فوراً توپیں سر ہوتی ہیں۔ اور شہر کے ہر حصے سے آگ بجھانے والے ملازم تمام آلات کے ساتھ موقع پر پہنچ جاتے ہیں ان کو حکم ہے کہ بے تحاشا دوڑتے جائیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی راہ چلتا انکی جھپٹ میں آکر پس جائے تو کچھ الزام نہیں۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ پتھر کی عمارتیں کیوں نہیں بنتیں معلوم ہوا کہ سردی کے موسم میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور تندرستی کو نقصان پہنچتا ہے ⁂

آب و ہوا

آب و ہوا یہاں کی نہایت عمدہ ہے۔ جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے اور کبھی کبھی برف بھی گرتی ہے گرمیوں کا موسم جس کا مجھ کو خود تجربہ ہوا اس قدر خوشگوار ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا تعجب ہے کہ ہمارے یہاں کے امرا شملہ اور نینی تال کے بجائے قسطنطنیہ کا سفر کیوں نہیں کرتے۔ پانی پہاڑ سے آتا ہے اور نہایت ہاضم اور خوشگوار ہے +

میوہ جات

ہر قسم کے میوے کثرت سے ہیں اور خصوصاً انگور اور خربزہ بے مثل ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے خربزے لطافت میں تو شاید بڑھ کر ہوں لیکن شیرینی میں یہاں کے خربزوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ امرود جن کو اہل عرب انجاص کہتے ہیں عجیب مخروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ رنگ میں تو نہیں لیکن صورت میں گاجروں سے مشابہ مگر نہایت شیریں اور لذیذ۔ سیب کابل کے سیب سے بڑے اور زیادہ شیریں۔ ایک میوہ یہاں ہوتا ہے جس کو شمش کہتے ہیں۔ وہ ہمارے یہاں کی جامن سے کچھ مشابہ ہے۔ ہر قسم کے میوے نہایت ارزاں ہیں۔ انگور ۲ سیر تک آتے ہیں سیب عمدہ سے عمدہ پیسے کے دو دو علیٰ ہذا۔

لباس اور وضع

لباس اور وضع بالکل یورپین ہے۔ ظاہری ہیئت سے کسی شخص کا مسلمان یا عیسائی ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ لال ٹوپی جو ترکوں کا امتیازی لباس ہو سکتا تھا عیسائی اور یہودی بھی استعمال کرتے ہیں اور اس وجہ سے دونوں قوموں میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ طریقہ ایک اعتبار سے تو اچھا ہے کیونکہ دنیا کی مختلف قوموں میں اختلاف کے آثار جس قدر مٹ جائیں تمدن کے لیے مفید ہے لیکن سوشیل ضرورتوں میں اس سے سخت ہرج ہوتا ہے مجھ کو اسکی وجہ سے اکثر دشواریاں پیش آئیں۔ اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے اگر عیسائیوں کو قومی لباس کی پابندی کا حکم دیا تو بہت بجا کیا۔ تعجب یہ ہے کہ یہاں مذہبی گروہ یعنی علماء اور مدرسین بھی یورپ کے اثر سے نہیں بچ سکے۔ اُنکے پائجاموں میں پتلون کی طرح بٹن ہوتے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ اوپر گھیر ہوتا ہے اور خوبصورتی کے ساتھ چنٹیں ہوتی ہیں۔ کرتہ یا چکن کے بجائے صرف ویسکٹ ہوتا ہے واسکوٹ کے اوپر جبّہ پہنتے ہیں اور یہی امتیازی علامت ہے جو ان کو اور گروہ سے

آدمیوں سے الگ کرتی ہے۔ اس میں بھی یورپ کا یہ اثر ہے کہ عبا کے تکمے نہیں لگاتے۔ اور سامنے سے واسکوٹ کھلا رہتا ہے۔ ٹرکی ٹوپی عموماً یہ لوگ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر سپید کپڑے کی ایک دھجی لپٹی ہوتی ہے جس کو عربی میں لفہ کہتے ہیں۔ اور وہ اہل علم کی خاص علامت خیال کیجاتی ہے۔ عورتوں کے لباس کی تفصیل میں عورتوں کی تہذیب و معاشرت کے ذکر میں لکھونگا۔

جوامع اور شاہی ایوانات

یہاں کی عمدہ اور یادگار عمارتیں۔ جامع مسجدیں۔ اور شاہی ایوانات ہیں جامع مسجدوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ جداگانہ عنوان سے آگے آئیگا شاہی ایوانات کو یہاں سرائے کہتے ہیں۔ انکی تعداد بیس یا اکیس ہے اور سب دور دور فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ عمارتیں مختلف سلاطین کے عہد کی ہیں اور نہایت عظمت و شان کی عمارتیں ہیں ایک ایوان میں لب دریا ہے جو سرتاپا سنگ خام کا ہے اور نہایت وسیع۔ بلند۔ خوشنما ہے۔ حال میں شہنشاہ جرمن سلطان کا مہمان ہوا تھا تو اسی ایوان میں ٹھیرا تھا۔

کوئی ٹاؤن ہال نہیں

یہ بات نہایت تعجب کی ہے کہ تمام شہر میں کوئی ٹاؤن ہال نہیں۔ پبلک گارڈن یعنی باغ عامہ بھی ایسا مختصر ہے کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت کے لیے کسی طرح موزون نہیں۔

عدالتیں

عدالتیں بجز دو تین کے سب یکجا واقع ہیں اور اس مجموعی عمارت کو باب عالی کہتے ہیں۔ وزیر اعظم کا محکمہ بھی یہیں ہے۔ یہ عمارتیں چنداں شاندار نہیں ہیں۔ ہائی کورٹ جس کو یہاں محکمۂ تمیز کہتے ہیں باب عالی سے فاصلے پر ہے۔ میں اسکے اندر تو نہیں گیا لیکن باہر سے بڑی شاندار عمارت معلوم ہوتی ہے۔ پولس کمشنر کی عدالت غلطہ میں ہے۔ میں نے اس کی اچھی طرح سیر کی۔ عمارت چنداں قابل ذکر نہیں ہے لیکن نہایت مرتب اور آراستہ ہے۔ اجلاس کے کمرے میں بیش قیمت ترکی قالین بچھا ہوا ہے۔ کرسیاں بھی نہایت خوبصورت اور موزون ہیں معارف یعنی سررشتہ تعلیم کا محکمہ بھی یہیں ہے۔ یہ معمولی عمارت ہے لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

ترقی تعلیم کالج اور اسکول

اِس دور دراز سفر سے کتب خانوں کی سیر کے علاوہ اگر میرا کچھ اور مقصد ہو سکتا تھا تو یہاں کی طرز تعلیم اور ترقی تعلیم کا اندازہ کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر نسبت اور تمام باتوں کے زیادہ توجہ کی اور جہاں تک ہو سکا کوشش اور محنت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن ناظرین کو یہ امید نہ کرنی چاہیے کہ میں اپنے مقاصد میں پورا کامیاب بھی ہوا اور یہ کہ میری تعلیمی رپورٹ کوئی مکمل رپورٹ ہوگی تحقیقات کے لیے میں جو کوشش کر سکتا تھا وہ یہ تھیں کہ چند بار سررشتہ تعلیم کے دفتر میں گیا افسران تعلیم سے تحقیق طلب باتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے کالج اور اسکول خود جاکر دیکھے ٹیچروں پروفیسروں سے ملا۔ کالجوں کی سالانہ رپورٹیں حاصل کیں لیکن یہاں ان تمام کوششوں پر بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترکوں میں یہ عجیب دستور ہے۔ کہ وہ ہر ایک بات کو پالیٹکس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس وجہ سے کسی معاملہ کا منظر عام میں آنا پسند نہیں کرتے۔ سررشتہ تعلیم کی رپورٹ جو سالنامہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے۔ نہایت مختصر اور محض مجمل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مصارف تعلیم اور پروفیسروں اور ٹیچروں کی تنخواہوں کا ذکر تک نہیں ہوتا بعض بعض کالجوں مثلاً مکتب حربیہ و مکتب سلطانی کی جداگانہ رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن ان میں نتائج امتحان اور نصاب تعلیم کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اوّل اوّل مجھ کو خیال ہوا کہ چونکہ میری رسائی کے وسیلے کم تھے اس لئے یہ حالات کم معلوم ہو سکے۔ لیکن جب میں نے خیر الدین پاشا وزیر ٹونس کی کتاب پڑھی تو تسکین ہو گئی۔ اس نے جہاں ترکی کا ذکر کیا ہے اور اسکی تمدنی و تعلیمی ترقیوں کا حال لکھا ہے۔ نہایت اجمال سے کام لیا ہے اور یہ معذرت کی ہے کہ "میں نے ترکی کے جو حالات لکھے وہ انگریزی کتابوں کے ذریعہ سے لکھے اور اس وجہ سے مفصل نہ لکھ سکا۔ لیکن مسلمانوں کی تحریرات میں اس قدر بھی نہیں مل سکتا"۔ اس تمہید اور معذرت کے بعد میں اصل مطلب شروع کرتا ہوں۔

تعلیم کے مختلف طریقے

تعلیم قدیم

قسطنطنیہ بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم و جدید۔ قدیم تعلیم ترکی حکومت کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ چنانچہ آرخان المتوفی سنہ ۷۶۱ھ نے جو اس سلسلہ کا دوسرا بادشاہ تھا۔ ازنیق میں ایک مدرسہ قائم کیا اور یہ پہلا مدرسہ تھا جو ممالک عثمانیہ میں قائم ہوا۔ آرخان کے بعد اور سلاطین نے حوصلہ شاہانہ سے تعلیم پر توجہ کی اور سیکڑوں دارالعلوم اور مدرسے قائم کئے چنانچہ ہمارے رسالے مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ نئی تعلیم

تعلیم جدید

کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب ترکی حکومت ایشیائی قالب چھوڑ کر یورپین قالب میں آئی۔ اس انقلاب کا بانی سلطان محمود تھا جس نے اول اول یورپین وضع اختیار کی۔ اور فوج کو یورپ کے طرز پر آراستہ کیا۔ اسی مجدد نے سنہ ۱۲۵۱ھ میں مکتب حربیہ کی بنیاد ڈالی جو تعلیم جدید کا پہلا کالج تھا۔ یہ کالج اب بھی موجود ہے اور تمام حربی مدارس کا مرکز ہے سلطان محمود کے بعد سلطان عبدالمجید نے سنہ ۱۲۶۲ھ میں جدید تعلیم کو زیادہ وسعت دی۔ اور مکاتب رشدیہ قائم کئے اس عہد سے اب تک یہ تعلیم نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے اور روز افزوں ترقی کر رہی ہے تعلیم جدید کے چار درجے قرار دئے گئے ہیں۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائیہ۔ اس کی مدت تعلیم زیادہ سے زیادہ پانچ برس ہے لیکن ذہین اور ہوشیار طالب العلم دو تین برس بلکہ برس دو برس میں ہی اس کو ختم کر کے اوپر ترقی کر سکتا ہے۔ اس میں قرآن مجید۔ ترکی زبان۔ عربی کا املا۔ خط۔ حساب تقسیم تک سکھایا جاتا ہے۔

رشدیہ

رشدیہ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں ترکی املا۔ مفردات زبان ترکی۔ نحو ترکی۔ عقائد اسلام بزبان ترکی حساب چاروں حصے۔ فرنچ زبان۔ عربی زبان۔ جغرافیہ۔ اقلیدس۔ کاغذات تجارت کے اصول نقشہ کشی کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ درجہ تقریباً ہمارے یہاں کے مڈل کی برابر یا اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔

اعدادیہ اور اس کے طلبا کی تعداد

رشدیہ کے بعد اعدادیہ ہے جس کو انٹرنس کہا جا سکتا ہے اس کلاس کے طالب علموں کی مجموعی تعداد سنہ ۱۸۹۲ع میں ۵۲۱۵ تھی اس میں تمام اضلاع اور خود پایہ تخت کے مدارس شامل ہیں۔

اعدادیہ کے بعد خاص خاص کالج ہیں مثلاً مکتب ملکیہ ۔ مکتب الحقوق وغیرہ جن کا مفصل بیان آگے آئیگا ہر قسم کے عام و خاص مدرسے جو قسطنطنیہ میں ہیں انکی تعداد پانسو ہے جنمیں ۱۲ بڑے بڑے کالج ہیں یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ سلطان حال کے عہد میں تعلیم نے نہایت ترقی کی ہے ۔ اور روز بروز ترقی جاتی ہے ۔ سلطان کی تخت نشینی کے وقت مدارس رشدیہ کی تعداد ۹۶ تھی لیکن اب ۴۰۵ ہے ہر قسم کے نئے مدارس جو سلطان کی شانزدہ سالہ حکومت میں قائم ہوئے ۔ اُن کی تعداد دو ہزار ہے اسکے ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طالبعلموں کی تعداد اس کثرت سے بڑھتی جاتی ہے ۔ کہ ترقی تعلیم کی سال قبل کی رپورٹ سال مابعد سے کچھ نسبت نہیں رکھتی ۔ پروفیسر ویمبری نے اپنے چند برس پہلے ترکوں کی عام ترقی پر جو لکچر دیا ۔ اس میں مکتب الحقوق (قانونی کالج) کے طالب علموں کی تعداد تین سو بیان کی ہے لیکن میں جب قسطنطنیہ میں تھا تو اس کالج میں بارہ سو طالب علم موجود تھے ۔ میں نے زمانۂ قیام مصر میں قاہرہ کے مشہور اخبار المویدمیں پڑھا تھا ۔ کہ سلطان حال نے جب عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ تھے ۔ لیکن اب آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہیں ۔ یہ رقم ہمارے یہاں کی ایک کروڑ بیس لاکھ کے مساوی ہے ۔ حقیقت میں سلطان کو تعلیم کے ساتھ عجیب دلچسپی ہے مکتب ملکیہ اور مکتب الحقوق جو قسطنطنیہ کے نامور کالج ہیں ۔ خاص سلطان کے قائم کردہ ہیں ۔ حضرت ممدوح کو ان کالجوں کی طرف یہ التفات ہے کہ چند بار بنفس نفیس اُن کے معائنہ کو تشریف لاچکے ہیں ۔

جن دنوں میں قسطنطنیہ میں تھا حضرت ممدوح نے تمام بڑے بڑے کالجوں کے طالبعلموں کی شاہانہ دعوت کی قسطنطنیہ میں کاغذ خانہ ایک مشہور سیرگاہ ہے ۔ جہاں ہفتہ میں ایک بار تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے یہ مقام دعوت کے لئے تجویز کیا گیا ۔ اور حکم ہوا کہ ہر کالج کے لڑکے باری باری وہاں بلائے جائیں سب سے پہلے مکتب حربیہ ۔ پھر مکتب ملکی (سول سروس کالج) اور دوسرے کالجوں کے طلبا مدعو ہوئے ۔ طالب علم کالج سے چلتے تھے تو سلطان کے حکم کے موافق شاہی بینڈ اُن کے آگے آگے بجتا جاتا تھا ۔ چونکہ مصالح ملکی کی وجہ سے سلطان خود ان

سلطان حال کے زمانہ میں تعلیم کی ترقی

تعلیم کے مصارف سالانہ

جلسوں میں شریک نہیں ہو سکتے تھے ہمیشہ اُن کی طرف سے ایک نذر بیرشریکہ دعوت ہوتا تھا اور طالب العلموں کو سلطان کا سلام پہونچا تھا اُس وقت تمام طالب العلم بڑے جوش اور اخلاص سے پادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند کرتے تھے (یعنی ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے) +

تعلیم کے صیغہ میں ایک نہایت مفید ایجاد جو حال میں سلطان کی خاص تجویز سے ہوئی وہ مکتب العشائر کا قائم ہونا ہے۔ اگرچہ اس وقت تمام ممالک عثمانیہ میں تعلیم کو ترقی ہے۔ لیکن اب تک عرب کے قبائل اس فیض سے قریبًا بالکل محروم تھے جسکی وجہ خود اُن کی بے پروائی اور بدویت تھی اس ضرورت سے سلطان نے خاص قبائل عرب کی تعلیم کے لئے ایک کالج اور اُسکے ساتھ ایک وسیع اور مرتب بورڈنگ قائم کرنے کا حکم دیا میرے زمانۂ قیام ہی میں حکام اور عمال کے نام فرامین صادر ہوگئے تھے کہ حجاز۔ یمن۔ دیاربکر۔ بصرہ بغداد۔ طرابلس الغرب۔ حلب۔ موصل۔ شام میں عرب کے جو معزز قبائل ہیں اُنکے لڑکے انتخاب کر کے بھیجے جائیں۔ سلطان نے اُنکے ہر قسم کے مصارف حکومت کی طرف سے دینے منظور کئے۔ ۲۰۔ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو یہ کالج بڑی شوکت و شان کے ساتھ کھولا گیا اور افتتاحی رسمیں ادا کی گئیں۔ عربوں کی تہذیب و تربیت کے لئے ایسی عمدہ کوشش کی نظیر تمام اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی +

اس سے بھی زیادہ شاہانہ فیاضی کا ثبوت دار الشفقہ سے ملتا ہے جو خاص یتیموں کے لئے قائم ہوا ہے اس مدرسے میں ایک ہزار یتیم تعلیم پاتے ہیں اور یہ سب بورڈر ہیں اس گروہ کثیر کے خوراک لباس اور تمام دیگر ضروری مصارف کا بار سررشتہ تعلیم پر نہیں بلکہ سلطان المعظم کی ذات خاص پر ہے +

کالجوں اور اسکولوں میں سے جو زیادہ تر قابل ذکر ہیں وہ یہ ہیں :-

مکتب حربیہ شاہانہ
مکتب سلطانیہ
مکتب ملکیہ

چونکہ میں نے ان کالجوں کو خود دیکھا ہے اور ان کے طریقۂ تعلیم وغیرہ کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کیے ہیں اس لیے آگے چل کر ان کو جداگانہ عنوان سے لکھوں گا۔

مکتب الحقوق یعنی قانونی کالج اس کالج میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ رومن لا۔ قانون تجارت۔ اصول محاکمہ۔ تعزیرات۔ قانون بحری۔ پولیٹکل اکانومی یعنی سیاست مدن۔ قوانین سلطنتہائے یورپ۔ مختصر طور پر قانون کی ایجاد کی تاریخ اور اس کے عہد بعہد کی ترقیاں۔ طالبعلموں کی کل تعداد بارہ سو ہے جن میں چھ سو بورڈر ہیں۔ یہاں کے تعلیم یافتہ منصف اور صدر الصدور وغیرہ ہو سکتے ہیں مدت تعلیم چار برس ہے +

مکتب المہندسہ مدت تعلیم چھ برس۔ یہ رڑکی کالج کے مشابہ ہے۔

مکتب اللسان اس میں جرمن۔ فرنچ۔ یونانی۔ آرمنی۔ لاٹین۔ اٹالین۔ روسی زبانیں سکھائی جاتی ہیں +

مکتب الصناعۃ یعنی ٹکنیکل اسکول۔ اس کا سالانہ خرچ ۲۴۵۰ پونڈ یعنی ۱۲۲۷۵۰ روپیہ ہیں۔ طالب علموں کی تعداد ۴۰ ہے اور یہ کل یتیم لڑکے ہیں۔ ان کے مصارف خود مدرسے کے فنڈ سے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں اب تک صرف لوہاری نجاری وغیرہ سکھائی جاتی تھی۔ لیکن سال گذشتہ میں مہتمم مدرسہ توفیق بک آفندی نے درخواست کی کہ کلوں کا کام سکھلایا جائے +

مکتب نواب یہ کالج نہایت عمدہ اصول پر قائم کیا گیا ہے زمانہ ماقبل میں قاضی و مفتی جو مقرر ہوا کرتے تھے اُن کے لئے کسی قسم کی خاص تعلیم میں امتحان دینا شرط نہ تھا اب یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کالج کا تعلیم یافتہ نہ ہو وہ شرعی

مکتب حربیہ

مناصب پر مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس طریقے نے سعی
سفارشوں کی تقرریوں کا راستہ بالکل مسدود کر دیا ہے
اس کالج میں فقہ کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوتی
ہے تعلیم جدید کی بعض چیزیں بھی اضافہ کی گئی ہیں تاکہ
موجودہ زمانہ کی ضروریات پر واقفیت ہو۔ اس میں

مکتب بحریہ — فن جہازرانی کی تعلیم ہوتی ہے ✚

مکتب الزراعۃ — اس میں کاشتکاری کی تعلیم ہوتی ہے ✚

طریقۂ تعلیم کے متعلق چند باتیں زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

طریقۂ تعلیم کے متعلق قابل لحاظ امور

(۱) یہ کہ قریباً تمام کالجوں اور اسکولوں میں فرنچ زبان لازمی ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ تعلیم جدید کا معمولی تعلیم یافتہ بھی فرنچ زبان سے آشنا نہیں رہ سکتا ✚

فرنچ زبان کا لازمی ہونا

(۲) تمام بڑے بڑے کالجوں میں، فزکس، کیمسٹری، جیالوجی وغیرہ کی تعلیم لازمی ہے اور ان علوم کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ اس غرض سے ہر کالج میں کثرت سے ان فنون کے آلات مہیا رہتے ہیں ✚

سائنس کے فنون کی تعلیم

(۳) تاریخ کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے بکتب ملکیہ کا کورس میں نے دیکھا تھا۔ چند ضخیم جلدوں میں ہے جس میں علاوہ اور ملکوں کے یورپ کی مفصل تاریخ ہے اس کے ساتھ بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے اکثر مصنفین نے جو غلطیاں کی ہیں۔ ان سے بحث اور اس پر رد و قدح ہوتی ہے ✚

تاریخ کی اعلیٰ درجے کی تعلیم

(۴) بجز مکتب سلطانیہ کے جس میں عیسائی طالب علم کثرت سے ہیں۔ باقی اور تمام مدارس میں ہر قسم کے علوم و فنون ملکی زبان یعنی ترکی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ تمام علوم جدیدہ کا ترکی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ ترجمہ تعلیم کا عمدہ ذریعہ ہے یا نہیں اور ہندوستان کے بڑے بڑے نامور ارباب الرائے نے اس بحث میں نفی کا پہلو اختیار کیا ہے۔ لیکن غالباً وہ بحث ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے جہاں کی ملکی زبان گورنمنٹ

علوم جدیدہ کی تعلیم ترکی زبان کے ذریعہ سے ہوتی ہے

کی زبان نہیں ہے۔ ترکی زبان سلطنت کی زبان ہے اور اسکی مثال تمام دنیا میں نہ ملیگی کہ کسی سلطنت نے غیر قوم کی زبان میں علوم و فنون حاصل کر کے ترقی کی ہو۔ انگلستان کی نشو و نما اس وقت شروع ہوئی جب علوم و فنون لیٹن سے انگریزی زبان میں منتقل ہو کر آئے اور کچھ شبہ نہیں کہ ترکی کی ترقی بھی اگر ہو سکتی ہے۔ تو ملکی ہی زبان کے ذریعے سے ہو سکتی ہے +

بورڈنگ سسٹم

(۵) تعلیم و تربیت کے معاملہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل عزت ہے وہ بورڈنگ سسٹم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹرکی نہایت فخر سے اس بات کا دعوی کر سکتی ہے۔ کہ اس نے بورڈنگ کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ تمام بڑے بڑے کالجوں کے ساتھ بورڈنگ ہیں اور ان میں نہایت کثرت سے طلبا رہتے ہیں لیکن یہ التزام ہے کہ خوراک۔ لباس۔ وضع۔ مکان۔ فرنیچر تمام چیزیں ایک سی ہوں اور طالب علموں کی حالتوں میں ذرا مراتب کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ بورڈنگ کا کرایہ اور خوراک کی جو فیس لیجاتی ہے اس کے ساتھ کپڑوں کے دام بھی لئے جاتے ہیں اور طالب علموں کے کپڑے خود کالج کے اہتمام سے طیار ہوتے ہیں تمام لڑکے میز اور کرسیوں پر کھاتے ہیں اور ہر چیز میں بلحاظ صفائی خوش سلیقگی کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فیس کی تعداد کسی کالج میں ۵ پونڈ سالانہ سے کم نہیں ہے اور مکتب سلطانیہ میں ۴۰ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ ہے +

ترکوں کی یہ عجیب قابل قدر فیاضی ہے کہ باوجود زیادتی فیس کے غربا ان کالجوں کے فیض سے محروم نہیں ہیں ہر کالج میں غریب طالب علموں کی معتدبہ تعداد ہے۔ اور دولت مند ترکوں کی طرف سے ان کو اس قدر امداد دیجاتی ہے کہ وہ کالج کے تمام مصارف ادا کر سکتے ہیں مکتب سلطانی جس کی فیس چالیس پونڈ سالانہ ہے اسمیں ۲۰۰ طالب علم غریب اور کم مقدور ہیں۔ ان میں سے ڈیڑھ سو طالب علموں کی فیس امرا اور ارکین حکومت ادا کرتے ہیں اور پچاس کی سلطان اپنی جیب خاص سے عطا فرماتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ کالج کے احاطہ میں جا کر کوئی شخص کسی طرح تمیز نہیں کر سکتا کہ فلاں طالب علم غریب اور کم مقدور ہے۔ طالب علموں

کی یکساں حالت ۔ اُن میں اتحاد اور قومیت کا نہایت قوی خیال پیدا کرتی ہے ۔ اور غربا کو اعلیٰ درجے
کی معاشرت کا حاصل ہونا اُن میں حوصلہ مندی اور بلند نظری کا مادہ پیدا کرتا ہے ۔ یورپ کے
بڑے بڑے کالجوں میں یہ بڑی کمی ہے کہ کم مقدور لوگوں کو اُن کی فیاضی سے چنداں فائدہ
نہیں پہونچتا ترکوں نے اسی نقصان کا تدارک کیا ہے اور نہایت خوبی سے کیا ہے ۔

بورڈنگ کا یہ طریقہ دیکھکر مجھ کو اپنا مدرسۃ العلوم یاد آتا تھا ۔ اور میں اس کے
بورڈنگ کے اختلاف مراتب پر افسوس کرتا تھا لیکن میرا افسوس درحقیقت مدرسۃ العلوم کی حالت
پر نہ تھا بلکہ قوم کے اُن بزرگوں پر تھا جن کو خدا نے دولت اور مقدور دیا ہے لیکن یہ توفیق
نہیں دی کہ اپنی فیاضی سے اس بات کی کوشش کریں کہ ہماری تعلیم گاہ میں غربا اور اہل مقدرت
ایک ہی بلند سطح پر نظر آئیں ۔ میں تنبیہ کرتا ہوں کہ ہمارے قومی کالج میں جو چیز سب سے
زیادہ ضروری اور نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تمام طالب علموں کا لباس ۔ وضع خوراک
مکان ۔ فرنیچر کلیتہً ایک کردیا جائے اور جو مختلف سطحیں آج کالج میں قائم ہیں بالکل
مٹادی جائیں ۔ اگر یہ نہیں تو کالج میں قومیت کی روح نہیں ۔

طالب علموں کا لباس

یہاں کالجوں اور اسکولوں میں ایک اور جدت ہے اور نہایت مفید اور موثر ہے وہ
یہ کہ ہر طالب علم کے کوٹ کے گریبان پر سنہری کلابتون میں اس کالج یا اسکول کا نام کڑھا
ہوا ہوتا ہے جس میں وہ تعلیم پاتا ہے ۔ کلابتون کے حرف ابھرے ہوئے اعلیٰ درجہ کے مذاق کے
مطابق ہوتے ہیں ۔ چار بجے کے قریب کالجوں اور اسکولوں کی گذرگاہوں پر جاؤ تو عجیب
دلفریب منظر آتا ہے ۔ غول کے غول لڑکے مدرسوں سے نکل کر متعدد صفوں میں تقسیم
ہو جاتے ہیں اور اس ترتیب و نظام سے چلتے ہیں ۔ کہ گویا باقاعدہ فوج جا رہی ہے ۔
لڑکوں کا سرخ و سپید رنگ اس پر سیاہ کوٹ اور کوٹوں کے گریبان پر کالجوں کا زریں
طغرا اس قدر خوشنما معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے ۔

اس طریقے سے علاوہ زینت اور شان و شوکت کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم

سیر تماشے کی غرض سے بازار میں نکلتے ہیں تو کوئی نامناسب حرکت نہیں کرسکتے۔ کالج کا لباس
جس کا ہر وقت پہننا لازمی ہے پہچنوا دیتا ہے کہ وہ طالب العلم ہیں۔ اس لئے خواہ مخواہ انکو کالج
کے ناموس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی لڑکا کسی ناروا صحبت میں شریک یا کسی بیہودگی
کا مرتکب ہو تو پولیس مین پکڑ کر اس کو اس کالج یا اسکول میں پہونچا آئیگا جہاں وہ تعلیم پاتا ہے +

ایک ایک کمرے میں بہت سے طالبعلموں کا رہنا +

یہاں کے بورڈنگ سسٹم میں بظاہر ایک نقصان معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ الگ الگ
کمرے نہیں ہوتے بلکہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ لڑکوں کے لئے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس میں
انکی تعداد کے موافق پلنگ بچھے ہوتے ہیں۔ ہر پلنگ کے سرہانے ایک چھوٹی سی الماری ہوتی ہے
جس میں معمولی کپڑے اور کتابیں آجاتی ہیں۔ میں نے اول اول یہاں کے بورڈنگ دیکھے
تو فی البدیہہ ان کی حقارت کا خیال پیدا ہوا خصوصاً اس وجہ سے کہ مدرسۃ العلوم کے پرتکلف اور
آراستہ کمرے میری آنکھوں کے سامنے تھے لیکن زیادہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ فائدے
سے خالی نہیں۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس کمی کی اصلی وجہ کثرت آبادی اور کافی زمین کا
نہ میسر آنا ہے لیکن ان فوائد کے لحاظ سے جو بغیر اس خاص طریقے کے حاصل نہیں ہوسکتے اگر یہ
دعوے کیا جائے کہ قصداً ایسا کیا گیا ہے اور ایسا ہی مناسب تھا تو کچھ بیجا نہ ہوگا +

تمام بورڈروں کی یکساں زندگی

اس طریقے سے جو نہایت مفید کام لیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام بورڈروں کی روزانہ
زندگی یکساں اصول پر قائم کی گئی ہے مثلاً صبح ہوئی اور چوکیداروں نے جو تمام رات سونے کے
کمرے میں ٹہلا کرتے ہیں تمام بورڈروں کو جگا دیا۔ دیوار میں لڑکوں کی تعداد کے موافق ٹونٹیاں
لگی ہیں اور ان کے نیچے پکی نالی بنی ہے تمام لڑکے وہاں جاکر ایک ساتھ بیٹھ گئے۔ لڑکوں کے
ایک ساتھ آجانے کا اس قدر التزام ہے کہ بعض بعض کالجوں میں ایک کل ہے جس کے پھرانے
سے تمام ٹونٹیوں کا منہ ایک ساتھ کھلجاتا ہے۔ جب تمام لڑکے آجاتے ہیں تو نوکر اس کل کو
پھراتا ہے اور وقت مقررہ کے گذرنے پر بند کردیتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا دیر کرکے آئے تو اس کو
واپس جانا ہوگا۔ کیونکہ صرف ایک شخص کے لئے بہت سا پانی رائگان نہیں کیا جاسکتا ہاتھ منہ

دھو کر تمام لڑکے ریڈنگ روم میں (جو کتب بینی کے لئے مخصوص ہے اور جہاں ایک نگران معلم موجود رہتا ہے) جا کر بچوں پر بیٹھ گئے اور سبق کے یاد کرنے یا مطالعہ کے دیکھنے میں مصروف ہوئے۔ تمام طالب علم ایک ساتھ اُٹھ کر کھانے کے کمرے میں گئے۔ کھانے کے بعد کالج کی گھنٹی ہوئی اور سب کالج کے کمروں میں جا بیٹھے۔ رات کو بھی تمام طالب علم ایک ہی کمرے (ریڈنگ روم) میں پڑھتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سب ساتھ اُٹھ کر سونے کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ غرض سو کر اُٹھنا۔ ہاتھ منہ دھونا۔ سبق مطالعہ کرنا۔ کھانا کھانا۔ کھیلنا۔ نماز کا پڑھنا۔ اور رات کے دس بجے اپنے اپنے پلنگ پر جا کر پڑ رہنا۔ یہ سارے کام تمام طالب العلموں کو ایک ساتھ کرنے پڑتے ہیں۔ اس طریقے سے حفظ اوقات کی عادت ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ اس طریقے کے لئے ضرور ہے کہ ایک ایک کمرے میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ طالب علم کے رہنے کا انتظام کیا جاوے ورنہ الگ الگ کمروں میں تمام کاموں کے ایک ساتھ انجام پانے کا کسی طرح انتظام نہیں ہو سکتا ہمارے کالج میں **ظہور حسین وارڈ** جو ابھی قائم ہوا ہے اسی اصول پر قائم ہوا ہے +

ترقی تعلیم میں ابھی تک بعض باتوں کی کمی ہے

تعلیم کی وسعت اور ترقی کے متعلق اگرچہ یہ کچھ اہتمام ہے تاہم چونکہ نئے طریقۂ تعلیم نے حال میں رواج پایا ہے اس لئے ابھی بہت سی باتوں کی کمی ہے جن کی نسبت اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ پوری ہو جائیگی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کالج بلکہ تمام شہر میں کوئی ڈبیٹنگ کلب یا علمی انجمن نہیں ہے۔ اس لئے طالب علموں کو تقریر کا ملکہ بہم پہونچانے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کالجوں کے ڈگری یافتہ مجمع عام میں کسی مضمون پر لکچر یا اسپیچ نہیں دے سکتے اسی کا یہ بھی اثر ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ میں ابھی تک وہ زندہ دلی۔ آزاد خیالی۔ حوصلہ مندی۔ وسعت نظر بھی نہیں پیدا ہوئی ہے جو نئی تعلیم کا لازمہ ہے +

ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ کالجوں اور بڑے بڑے اسکولوں کا وجود دار الخلافت کی شہر پناہ تک محدود ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اگرچہ کثرت سے مدرسے قائم ہو گئے ہیں لیکن وہ

عموماً ابتدائیہ اور رشدیہ یعنی ادسط درجہ کے مدارس ہیں۔ جہاں تک میری واقفیت ہے۔ بیروت۔ دمشق۔ حلب۔ بیت المقدس میں ایک بھی ایسا علمی مدرسہ نہیں جس پر کالج کا لفظ صادق آسکے +

اس سے بڑھ کر یہ افسوس ہے کہ قسطنطنیہ کے تمام کالج اور دارالعلوم جن کا میں نے ذکر کیا۔ حکومت کی طرف سے ہیں۔ قوم نے ابھی تک اس طرف کچھ توجہ نہیں کی ہے۔ یعنی اتنے بڑے دارالسلطنت میں ایک بھی قومی کالج نہیں۔ کوئی گورنمنٹ گو کتنی ہی مقتدر اور دولتمند ہو۔ لیکن تمام ملک کی علمی ضرورتوں کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو بھی تو چنداں مفید نہیں جس قوم کی تمام ضرورتیں گورنمنٹ انجام دیا کرتی ہے اسکی دماغی اور روحانی قوتیں مردہ اور بیکار ہو جاتی ہیں۔ یورپ میں جو عظیم الشان علمی کارخانے پھیلے ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر قوم کا حصہ ہے انگلستان کی مشہور یونیورسٹیاں کیمبرج اور آکسفورڈ۔ قومی ہی کوششوں سے قائم ہوئی ہیں۔ اور اس وقت تک انہوں نے گورنمنٹ کا زیر بار احسان ہونا منظور نہیں کیا ہے +

اس اجمالی رپورٹ کے بعد ہم بعض بعض کالجوں کا تفصیلی حال لکھتے ہیں +

مکتب حربیہ

یہ بہت بڑا کالج بلکہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس پر ترکوں کو فخر ہے اور درحقیقت وہ اس فخر کا مستحق ہے۔ اگرچہ حربی تعلیم اصطلاحی تعلیم کے مفہوم سے کسی قدر الگ ہے اس لحاظ سے ترقی تعلیم کے ذیل میں مکتب حربیہ کا ذکر کرنا بظاہر موزون نہ تھا۔ لیکن اس کالج میں حربی علوم کے علاوہ طبیعیات۔ کیمیا۔ ریاضی اور بالخصوص طب کی تمام شاخوں کی تعلیم اس حد تک ہوتی ہے کہ ہم اسکو اصطلاحی تعلیم کے دائرہ سے باہر نہیں کہہ سکتے یہ کالج سنہ ۱۲۵۰ھ میں سلطان محمود نے قائم کیا تھا۔ اس زمانے کی بہ نسبت عمارت میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ اور نصاب تعلیم تو اس قدر وسیع اور اعلیٰ ہو گیا ہے کہ گویا وہ کالج ہی نہیں رہا +

اس کالج کے ماتحت جس قدر حربی مدارس ہیں ان کی تعداد (۴۷) ہے جن میں (۱۸) اعدادیہ ہیں اور (۲۷) رشدیہ جن میں کل ۹۲۲۴ طالب علم تعلیم پاتے ہیں تفصیل نقشہ ذیل

سے معلوم ہوگی +

قسم مدرسہ	مدارس پایۂ تخت		مدارس اضلاع	
	بورڈر	غیر بورڈر	بورڈر	غیر بورڈر
اعدادی	۱۰۹۶	۰	۵۴۷	۰
رشدیہ	۱۵۵	۲۴۲۵	۱۳۸	۲۲۲۵

یہ کالج (مکتب حربیہ) بڑی عظمت و شان کا کالج ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ میں عام دستور ہے کہ سکرٹری مدرسے کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی مدرسہ کے احاطہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کالج میں اور بھی زیادہ اہتمام اور روک ٹوک ہے۔ میں نے جب اس کی سیر کا قصد کیا تو لوگوں نے کہا کہ اسکے لیے ارادۂ سنیہ یعنی خود سلطان کی اجازت درکار ہے۔ اگرچہ ممکن تھا کہ عثمان پاشا جن سے اس زمانے میں مجھ کو شرف ملازمت حاصل ہو چکا تھا۔ مجھ کو بآسانی اجازت دلا دیتے لیکن میں نے اس کام کے لیے اُن کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا حسین حسیب آفندی پولس کمشنر سے بے تکلفانہ ملاقات تھی ان سے تذکرہ کیا۔ بولے کہ "در حربیہ مأذون نیستم"۔ مجبوراً مجھ کو ذاتی کوشش پر بھروسہ کرنا پڑا۔ اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ مکتب حربیہ کے سکرٹری ذکی پاشا ہیں جو نہایت لائق اور اعلےٰ درجے کے تعلیم یافتہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ بغیر کسی واسطے کے خود اُن سے ملنا چاہیئے۔ شیخ علی ظبیان نے بھی یہی رائے دی۔ چنانچہ ہم دونوں پاشائے موصوف کے مکان پر گئے +

مکتب حربیہ کی سیر کے لئے ذکی پاشا سے ملاقات

اتفاق سے وہ باہر جا چکے تھے۔ آدمی نے کہا ذرا ٹھیر جائیے۔ شاید جلد آجائیں۔ اسی اثنا میں وہ آپہونچے۔ گاڑی سے اُترنے کے ساتھ انہوں نے ہماری طرف رخ کیا۔ شیخ علی ظبیان اور میں دونوں عربی لباس میں تھے۔ اگرچہ میرے سر پر ریشمی عمامہ اور کمر میں سنہری پیٹی تھی لیکن قفطان اور عبا کی وجہ سے مجموعی صورت سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ پاشا موصوف کو اس وقت نہایت جلدی تھی۔ سلام علیک کے ساتھ ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ مجیدیاں (ترکی سکہ

نکالیں۔ پہلے تو مجھ کو سخت تعجب ہوا۔ پھر یہ خیال آیا کہ نعوذ باللہ انہوں نے ہم کو عام عربوں کی طرح
گداگر سمجھا۔ اس خیال کے ساتھ مجھ کو نہایت شیخ اور رنج کے ساتھ غصہ آیا۔ میں نے چلا کر کہا
شئ ھذا۔ ماجئنا لھذا ۔لسنامن الفقراء یعنی یہ کیا ہے؟ ہم اس لئے نہیں آئے ۔ ہم
محتاج نہیں ہیں پاشا موصوف اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن چہرے کی ہیئت اور لہجہ کلام
سے سمجھے کہ یہ امر اس کو ناگوار گذرا۔ شیخ علی ظبیان کی طرف متوجہ ہوئے ۔کہ یہ غیظ میں کیوں ہیں؟
اور چاہتے کیا ہیں؟ شیخ علی ظبیان ٹوٹی پھوٹی ترکی بول لیتے تھے ۔میرے آنے کی غرض و
غایت بیان کی۔ پاشائے موصوف نہایت شرمندہ ہوئے معذرت
کے ساتھ کہا کہ آپ بالاخانے پر چلئے۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ بالاخانے
پر چند معزز عہدہ دار جمع تھے۔ انہوں نے نہایت احترام کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ معمول
کے موافق قہوہ آیا۔ ایک ایک سے مزاج پرسی ہوئی۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ میں ہندوستان
کا باشندہ ہوں اور تحقیقات علمی کی غرض سے یہاں آیا ہوں تو اس قدر گرویدہ ہوئے۔ کہ
ہر لفظ اور ہر ادا سے شوق اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ نہایت افسوس تھا کہ میں نہ ترکی
سمجھتا تھا نہ فرنچ۔ اور وہ ان زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ اٹھ اٹھ کر
میرے پاس آبیٹھتے تھے اور اظہار محبت کے ساتھ افسوس ظاہر کرتے تھے کہ ہم آپ کی
زبان نہیں سمجھتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ذکی پاشا نے معذرت کے ساتھ کہلا بھیجا کہ مجھ کو
ضروری کام درپیش ہے اس لئے میں خود نہیں آسکتا۔ لیکن میں نے ایک افسر کو حکم دیدیا
ہے وہ آپ کو اچھی طرح کالج کی سیر کرادیگا۔ ان صاحب کا نام رضا بک تھا اور میرالائی کا رتبہ رکھتے تھے
پاشائے موصوف کی معذرت اگرچہ بہانہ پر محمول نہیں ہوسکتی تھی واقعی ان کو بہت سے محکمے سپرد ہیں
اور تمام تمام دن ان کو دورے میں گذر جاتا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کو اپنی حرکت
پر سخت ندامت ہوئی تھی اور یہ بھی ان کے نہ آنے کا ایک سبب تھا۔

مجھ کو اس بات کے معلوم ہونے سے کہ یہاں علماء اور متصوفین جب کسی امیر یا عہدہ دار سے

ملتے ہیں تو اسی غرض سے ملتے ہیں کہ بعض نورانی ہاتھ آئے۔ ذکی پاشا کی بدگمانی کا رنج تو جاتا رہا۔ لیکن اس فرقے کے حال پر بہت افسوس ہوا۔ نذر و نیاز کے طریقے کو میں ہندوستان کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا۔ لیکن افسوس یہاں بھی اس سے نجات نہیں پائی۔

قصہ مختصر رضا بک کے ساتھ ہم مکتب حربیہ کو گئے۔ دروازے پر پہرہ تھا سپاہیوں نے فوجی قاعدے سے سلام کیا۔ اور داخل ہوئے تو کالج کیا ایک مستقل آبادی تھی رضا بک پہلے اپنے خاص کمرے میں لے گئے۔ وہاں کے اور چند عہدہ دار موجود تھے۔ ان سے تعارف ہوا معمول کے موافق قہوہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رضا بک نے کہا کہ کھانے کی گھنٹی ہو چکی ہے آئیے۔ سب سے پہلے آپ کو کھانے کے کمرے کی سیر کرائیں۔ چونکہ اس وقت ڈائننگ روم (کھانے کا کمرہ) اور اسکے متعلق جو عمارتیں ہیں۔ ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر ہو رہی تھیں۔ اس لئے کالج کے سلسلہ عمارت سے کسی قدر فاصلہ پر ایک مکان عارضی طور پر بنایا گیا تھا اور کالج سے اس عمارت تک صاف اور ہموار سڑک تیار کی گئی تھی۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں سے نکلکر ڈائننگ ہال چلے تو عجب دلفریب سماں نظر آیا۔ پانچ پانچ چھ چھ لڑکوں کی تیس چالیس صفیں تھیں اور اس ترتیب و انتظام کے ساتھ جا رہی تھیں۔ کہ گویا باقاعدہ فوج مارچ کر رہی ہے۔ وضع اور لباس بالکل ایک سا تھا اور چونکہ تمام لڑکے ترک یا شامی عرب تھے رنگ روپ میں بھی چنداں فرق نہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ اس گروہ کے ساتھ نہ کوئی افسر تھا نہ ان کو ہمارا آنا معلوم تھا۔ تاہم انکی کوئی حرکت ترتیب و انتظام کے خلاف نہ تھی اور شور و غل کا مطلق نام نہ تھا۔ جب ہم کمرے کے اندر داخل ہوئے تو تمام لڑکے میز پر بیٹھ چکے تھے ہال نہایت وسیع اور خوبصورت اور چھت پر طلائی کام تھا۔ دو تین قسم کے کھانے تھے اور ترکی طریقے کے موافق چار چار لڑکوں کے بیچ میں ایک ایک قاب تھی چھری کانٹے نہ تھے۔ صرف چمچے تھے لیکن لڑکے کھاتے اس خوش سلیقگی سے تھے کہ نہ کسی کا ہاتھ بھرتا تھا نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ پڑ سکتا تھا۔ غالباً لڑکوں پر صفائی و پاکیزگی کی سخت تاکید ہے چار پانسو لڑکے جو ہال میں موجود تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی کپڑے بدل کر آئے ہیں

لڑکوں کا کھانے کے کمرے کو جانا

کھانے میں لڑکوں کی صفائی اور خوش سلیقگی

ہم جدھر گذرتے بعض بعض لڑکے کھڑے ہو جاتے اور کہتے تفضل یا مولانا اُن کے اسرار سے ہم نے دو ایک لقمے کھائے کھانا بُرا نہ تھا لیکن ہم ہندوستانی قورمہ ڈھونڈھتے تھے وہ یہاں کہاں؟

کھانے کے کمرے سے نکلکر تھوڑی دیر تک ہم ادھر اُدھر پھرتے رہے۔ یہانتک کہ کالج کی گھنٹی ہوئی اور لڑکے لکچر روم کو چلے +

لکچر روم (تعلیم کے کمرے) ہمارے ہندوستان کی قطع کے نہیں ہیں۔ دور تک سیدھی قطار میں بہت سے کمرے ہیں جنکی قطع عام مکانات کی سی ہے۔ پروفیسر ایک بلند چبوترہ پر بیٹھتا ہے۔ بعض بعض چبوترونکے گرد لکڑی کا کٹہرا بھی تھا رضا بک اور ان کے ساتھ ہم جس کمرے میں جاتے ایک لڑکا اُٹھ کر "بق" کا لفظ بلند آواز سے کہتا۔ اس آواز کے ساتھ تمام لڑکے کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتے۔ معلوم ہوا کہ کالج کا جب کوئی افسر آتا ہے تو لڑکے اسی طرح اسکی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ رضا بک ہم کو تمام پروفیسروں سے انٹروڈوس کراتے تھے لیکن افسوس یہ تھا کہ ہم کسی کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے +

حمام۔ چھاپہ خانہ۔ نقاش خانہ۔ اور اس قسم کی بہت سی عمارتیں جو کالج کے احاطہ میں ہیں ہم نے سب کی سیر کی۔ یہ عمارتیں اس کثرت سے ہیں کہ قریباً دو گھنٹے تک ہم برابر پھرے تب کہیں جا کر ختم ہوئیں۔ تشریح کی تعلیم کا کمرہ نہایت وسیع ہے اور اعمال تشریح کے سامان کثرت سے جمع ہیں۔ نقشہ کشی اور مصوری کے جو نمونے میں نے یہاں دیکھے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ چھاپہ خانہ میں ایک ایجاد یہ دیکھی کہ جغرافیہ کا نقشہ بجائے کاغذ کے پتھر پر بنا کر چھاپا جاتا تھا۔ جو نقشہ اُس وقت طیار ہو رہا تھا۔ نہایت گنجان اور باریک تھا۔ اور درحقیقت بڑی دیدہ ریزی کا کام تھا +

طالب علموں کی تفریح کے لئے ایک خوبصورت حوض بنا ہے جس میں مختلف رنگ کی مچھلیاں پڑی ہیں اور جا بجا چمن اور کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں اور ٹیچروں کے لئے

ذرا فاصلے پر الگ حوض ہے۔ چونکہ چلتے چلتے تھک گئے تھے ہم نے وہاں دم لیا اور دیر تک صحبت رہی رجب آفندی جو ترکی زبان کی انشا سکھانے پر مامور ہیں اور فارسی زبان جانتے ہیں آخری دورے میں ہمارے ساتھ ہو لئے تھے۔ اِن کے ذریعہ سے کالج کے معزز افسروں سے بے تکلف بات چیت ہو سکتی تھی۔ پروفیسروں اور طالب علموں نے مجھ سے جس خوش اخلاقی اور اسلامی محبت کا برتاؤ کیا میں اسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ اس بات کا نہایت افسوس ہے کہ جس دن ہم نے کالج کو دیکھا وہ عملی تعلیم کا دن نہ تھا اس وجہ سے فوجی مشقیں یعنی قواعد۔ نشانہ بازی۔ شہسواری۔ مورچہ بنانا۔ دمدمے طیار کرنے اور اس قسم کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے ممکن تھا کہ اور کسی دن جا کر دیکھتے۔ لیکن ہماری قیام گاہ سے کالج اس قدر دور تھا کہ پھر مہلت نہ ہوئی

پروفیسروں کا اخلاق

اس کالج میں تعلیم کی متعدد شاخیں ہیں *

تعلیم کی متعدد شاخیں ارکان حربیہ

(۱) ارکان حربیہ یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور اسکی مدت تعلیم تین برس ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں فنی و عسکری فنی میں مضامین ذیل پڑھائے جاتے ہیں۔ تقسیم اراضی و ہیئت۔ نظریات جر ثقیل معماری۔ زبانہائے فرنچ و جرمن و روس۔ قلعوں کا محاصرہ اور اسکے اصول جنگ۔ فوجی ٹیلگراف۔ وظائف ارکان حرب۔ فوجی ایجادیں۔ عملیات اشکال معماری سفرمینا۔ ممالک عثمانیہ کی سڑکیں اور کل ممالک یورپ کی ریلوے لائنیں۔ فن اسلحہ ثقیلہ۔ علم طبقات الارض۔ یورپ کی فوجوں کی ترتیب اور اصول۔ دنیا کی مشہور لڑائیاں اور فوجی اصول کے لحاظ سے انکی کیفیت وقوع اور فتح و شکست کے اسباب کی تحقیق۔ اقلیدس۔ جبر و مقابلہ۔ پلوغرافیا۔ فن اسلحہ خفیفہ۔ کتابت۔ تاریخ فن حرب۔ تصویر کشی *

عسکری میں بھی اکثر یہی مضامین ہیں۔ اسکے ساتھ بعض بعض جدید مضامین ہیں دونوں درجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم رشدیہ اور اعدادیہ میں ہو چکتی ہے۔ ان درجوں میں صرف انکی تکمیل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تین برس میں اس قدر مختلف مضامین کی تحصیل ہو سکتی ہے۔ رشدیہ سے اس درجہ تک کی تعلیم کی کل مدت دس برس ہے۔

سواری۔

(۲) سواری کی تعلیم۔ اسکی مدت تعلیم تین برس ہے اور علاوہ عملی مشقوں کے مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے۔ ہندسہ رقمیہ۔ جغرافیا نظری و عملی۔ زبانہائے فرنچ و جرمن و روسی۔ کیمیا۔ فن اسلحہ۔ فوجی ایجادات۔ جغرافیائے عسکری ✦

پیادہ

(۳) پیادہ۔ مدت تعلیم تین برس۔ اس میں علاوہ عملی مشقوں کے جغرافیہ فوجی۔ فن اسلحہ۔ جرمن و فرنچ و روسی زبانیں۔ فوجی ایجادات۔ استحکامات خفیفہ۔ حفظ الصحۃ کی تعلیم ہوتی ہے ✦

بیطاری یعنی جانوروں کا علاج

(۴) بیطاری یعنی طب حیوانات۔ مدت تعلیم چار برس۔ مضامین درسیہ یہ ہیں۔ عام امراض۔ فن ولادت۔ فن فروسیت۔ امراض داخلیہ۔ امراض منتولیہ۔ فن جراحی۔ امراض خارجیہ۔ فرنچ زبان۔ کتابت۔ کیمیائے عضوی۔ مفردات طب۔ تشریح۔ منافع الاعضا۔ نباتات۔ علم الحیوانات۔ کیمیات غیر عضوی۔ علم الارض و المعادن۔ ان چاروں صیغوں میں قریباً چھ سو لڑکے زیر تعلیم ہیں اور اُن کو سند حاصل کرنے کے بعد حسب مراتب۔ افسری کے عہدے ملتے ہیں۔ انکے نیچے اعدادیہ اور رشدیہ کی کلاسیں ہیں۔ جنکی مدت تعلیم سات برس ہے۔ اور تاریخ۔ جغرافیہ۔ حساب۔ اقلیدس۔ طبعیات۔ کلوں کا کام اور اس قسم کے مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔ کل طالب علم جو اس کالج کی مختلف شاخوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ تعداد میں

پروفیسروں اور ٹیچروں کی تعداد

پندرہ سو ہیں۔ جن میں سے ایک ہزار اور ڈیڑھ سو ہیں۔ پروفیسر اسسٹنٹ پروفیسر و ٹیچر ۷۰ ہیں جنمیں سے اکثر کالج ہی کے احاطے میں سکونت رکھتے ہیں۔ اکثر پروفیسر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ اور معزز عہدہ دار ہیں۔ ان میں سے چھ شخص پاشا کا منصب رکھتے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ثروت پاشا سکرٹری۔ فائق پاشا پروفیسر کیمیائے عضوی۔ ہزبر پاشا پروفیسر تعلیم سواری۔ تفوق پاشا پروفیسر طبقات الارض۔ شاکر پاشا پروفیسر ارکان حرب۔ عثمان پاشا پروفیسر زبان جرمن۔ نو پروفیسروں کو میر آلائی کا رتبہ حاصل ہے ✦

مکتب سلطانی

یہ بھی قدیم کالج ہے اور مکتب حربیہ کے سوا تمام کالجوں سے ممتاز ہے۔ یہ غلطہ سرائے

میں واقع ہے جہاں زیادہ تر یورپین تاجر آباد ہیں اور اس وجہ سے تمام اور کالجوں کی نسبت عیسائی لڑکے اس میں زیادہ ہیں ✦

مجھ کو افسوس ہے کہ جس وقت میں نے کالج کو دیکھا تعطیل کا زمانہ تھا اور بجز دو تین عہدہ داروں یعنی سکرٹری اور نائب سکرٹری وغیرہ کے اور کوئی افسر موجود نہ تھا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے۔ بورڈنگ اور لکچر روم سب اوپر کے درجے میں ہیں۔ علم الحیوانات کی تعلیم کے لئے نہایت وسیع کمرہ ہے جس میں کثرت سے ہر قسم کے مردہ جانور اور بڑے بڑے جانوروں کے ڈھانچے ہیں۔ وہیل مچھلی کا ڈھانچہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کیمیا اور الکٹرسٹی کے تجربوں کے لئے کثرت سے بیش قیمت آلات مہیا کئے گئے ہیں ✦

یہ بات مجھ کو بہت پسند آئی کہ بیمار بورڈروں کے لئے ایک نہایت وسیع ہال آراستہ ہے جس میں کثرت سے پلنگ وغیرہ موجود ہیں اور متعدد خدمتگار ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ اس طریقے سے ڈاکٹر کو لڑکوں کے علاج اور تیمارداری میں آسانی ہوتی ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں تمام بیماروں کو دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ الگ الگ کمرے ہوں تو ایک ایک بیمار کے پاس پہنچنا اور کافی طور سے اُنکی پرداخت اور خبرگیری کرنی سخت مشکل ہو ✦

اس کالج کا صرف ۱۸ ہزار پونڈ یعنی دو لاکھ ستر ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ لیکن اس میں غریب طالب علموں کی اسکالرشپ کی رقم بھی شامل ہے۔ طالب علموں کی مجموعی تعداد آٹھ سو ہے۔ جن میں زیادہ تر بورڈر ہیں۔ بورڈروں کی خوابگاہ کا کمرہ نہایت وسیع۔ شاندار اور خوش فضا ہے۔ بورڈنگ کا جو دستور العمل ہے اسکے چند دفعات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

(۱) تمام بورڈروں کی خوراک۔ کپڑے۔ بچھونے۔ کتاب۔ کاغذ۔ قلم وغیرہ کالج کی طرف سے مہیا کیا جائیگا ✦

(۲) بورڈر سے ۴۰ پونڈ سالانہ (چھ سو روپیہ) فیس لیجائیگی ✦

(۳) ایسے طالب علم بھی داخل ہو سکتے ہیں جو دو ثلث یا ایک ثلث فیس ادا کر سکتے ہیں یا

بالکل نہیں ادا کرسکتے۔ لیکن ان کی تعداد معین ہوگی۔ جو ہر سال کے شروع میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے محکمہ سے استفسار کرکے قرار دیجائیگی۔ (یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اس قسم کے طلباء کی بقیہ فیس سلطان اور امرائے شہر ادا کرتے ہیں اور اس وجہ سے خوراک۔ لباس۔ فرنیچر وغیرہ کے لحاظ سے ان میں اور ذی مقدور طالبعلموں میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں ہوسکتا۔)

(۴) داخلے کے وقت ہر طالب علم سے کپڑوں کی بابت ۵ اپونڈ یعنی دو سو پچیس روپے لئے جائینگے +

(۵) وہ طالب علم جو رات کو بورڈنگ میں نہیں رہتے انکی فیس ۲۰ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ گھٹ نہیں سکتی +

(۶) غیر بورڈروں کی فیس ۱ پونڈ سالانہ ہے اور کسی حالت میں وہ کم نہیں ہوسکتی +

(۷) بورڈروں کو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اپنے گھر جانے کی اجازت ملیگی۔ جانے اور آنے کے وقت ایک معتبر ملازم کا اُن کے ساتھ ہونا ضرور ہے +

(۸) کوئی بورڈر ایک ہفتہ میں دس قرش (سوا روپیہ) سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تعلیمی حیثیت سے اس کالج میں جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ تمام علوم و فنون فرنچ زبان میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اکثر پروفیسر فرنچ یا جرمن ہیں۔ اسکے ساتھ ترکی زبان کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے تک ہوتی ہے۔ عربی و فارسی کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ گو اعلیٰ درجے کی نہیں۔ باقی زبانیں۔ یونانی۔ ارمنی۔ انگریزی۔ جرمنی۔ اٹالین۔ لیٹن۔ درس میں داخل ہیں اور بہت سے لڑکے پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعلیم اختیاری ہے لازمی نہیں +

ترکی و عربی و فارسی میں علاوہ علم ادب اور قرآن مجید کے جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ عقائد۔ فقہ۔ اخلاق۔ تاریخ۔ دولت عثمانیہ۔ قرأت و تجوید۔ حدیث و تفسیر۔ لیکن قرأت و حدیث و تفسیر کی تعلیم چوتھے برس سے شروع ہوتی ہے۔ اور ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتی ہے۔ فرنچ زبان شروع ہی سے پڑھائی جاتی ہے اور اختتام

تعلیم یہ سات برس تک برابر جاری رہتی ہے - نحو - صرف - ادب کے ساتھ - اصول انشا نگاری
و فن بلاغت اعلیٰ درجے تک پڑھایا جاتا ہے اور مضامین ذیل کی تعلیم بھی اسی زبان کے ذریعہ
سے ہوتی ہے - حساب - جبر مقابلہ - جغرافیہ - ہندسہ - کیمسٹری - علم الحیوانات - طبعیات - علم النبات
الکٹرسٹی - علم الاصوات - علم طبقات الارض - رسم ہندسی - رسم تقلیدی +

پروفیسروں اور ٹیچروں کی مجموعی تعداد ۳۴ ہے جنمیں ۱۲ جرمنی اور فرنچ - اور باقی ترک ہیں
حقیقت یہ ہے کہ وسعت عمارت - فراہمی آلات علمی - وسعت تعلیم - اور خوبی انتظام
کے لحاظ سے تمام قسطنطنیہ میں اس سے عمدہ تر کوئی کالج نہیں ہے - البتہ یہ افسوس ہے
کہ اسکی اعلیٰ کلاسوں میں تعلیم پانے والے زیادہ تر عیسائی ہیں - مسلمانوں کی تعداد بہت کم
ہے شیخ عبد الفتاح آفندی نے مجھ کو سال رواں کی رپورٹ نتیجہ امتحان عنایت کی تھی
اس میں جسقدر اعلیٰ درجے کے امتحانات پاس کرنے والے ہیں - اکثر عیسائی ہیں - مجھ کو
خدانخواستہ عیسائیوں کی ترقی پر حسد نہیں ہے لیکن مسلمانوں کے تنزل کا رنج ضرور ہے

مکتب ملکیہ

مکتب ملکیہ

یہ کالج جو یہاں کا سول سروس کالج ہے خاص سلطان کا قائم کردہ ہے اور حضرت
ممدوح کو اسکی طرف التفات خاص ہے چنانچہ دوبار بنفس نفیس اسکے ملاحظہ کو تشریف لاچکے ہیں

پہلے اسمیں پانچ درجے تھے تین ادنیٰ اور دو اعلیٰ اس لحاظ سے کل مدت تعلیم پانچ برس
تھی لیکن تعلیم کے ہائی اسٹینڈرڈ کے قائم کرنے کے لئے دو درجے اور بڑھا دیے گئے ہیں
اور کل مدت تعلیم سات برس قرار دی گئی ہے - اس کالج میں فرنچ کے ساتھ یونانی اور ارمنی
زبان کی تعلیم بھی لازمی ہے - عربی و فارسی بھی نصاب تعلیم میں داخل ہے لیکن لازمی نہیں -
مضامین جنکی تعلیم ہوتی ہے یہ ہیں - تاریخ جغرافیہ - الکٹرسٹی وغیرہ - طبعیات - پولیٹکل اکونمی -
اصول قانون - یورپ کے قوانین - ان تمام مضامین کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجے پر ہوتی

تاریخ کا کورس میں نے خود دیکھا چھ ضخیم جلدوں میں تھا۔ اس کالج کے تعلیم یافتہ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کئے جاتے ہیں چنانچہ دو سو سے زیادہ اس وقت تک ملکی عہدوں پر مقرر ہو چکے ہیں جن میں سے بعض بعض نہایت بلند رتبہ کے عہدہ دار ہیں۔ طلبا جو اس وقت کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔ ان کی تعداد ۷۰۰ سے زیادہ ہے +

طالب علموں کی تعداد

میں نے اس کالج کی اچھی طرح سیر کی۔ کالج کے منیجر جو ایک معزز ترک ہیں۔ اگرچہ عربی نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ترجمان میرے ساتھ تھا۔ بے تکلف گفتگو ہو سکتی تھی یہاں کے کالجوں میں میں نے یہ بات عموماً دیکھی اور مجھ کو بہت پسند آئی۔ کہ منیجر معزز رتبہ کا آدمی ہوتا ہے۔ اور اسکی طرز معاشرت سے عزت و شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان منیجر صاحب کا کمرہ بھی حسب معمول مرتب اور آراستہ تھا میں جس وقت کالج میں پہونچا چھٹی کا گھنٹہ تھا اور لڑکے کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لڑکے کلاسوں میں آ گئے تو منیجر صاحب نے مجھ کو کالج کے تمام کمروں کی سیر کرائی۔ کھانے کا کمرہ نہایت خوش سلیقگی سے مرتب تھا۔

کھانے کے کمرہ کی صفائی اور آراستگی

میز پر نہایت صاف چادر بچھی تھی۔ اور کھانے کے پر تکلف برتن خوبصورتی کے ساتھ چنے تھے۔ صراحیاں جو طالب علموں کی تعداد کے موافق تھیں۔ عموماً شیشے کی تھیں اور گویا میز کی آرایش کا کام دیتی تھیں۔ کیمسٹری وغیرہ کی تعلیم کے کمرہ میں اعلےٰ درجے کے آلات تھے۔ اور کثرت سے تھے۔ اسی سلسلۂ عمارت میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے اسکی عمارت چنداں قابل ذکر نہیں لیکن چونکہ اندر باہر نہایت اعلیٰ درجے کا ترکی قالین بچھا ہوا تھا۔ خوبصورت اور مزین معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف دیوار پر خط نسخ کا ایک عمدہ قطعہ آویزاں تھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ سلطان عبد العزیز خان مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ نہایت عمدہ خط ہے +

نماز کی طیاری

اسی اثنا میں ظہر کا وقت آ گیا مسلمان لڑکوں نے (عیسائی طالب علم بھی یہاں کچھ کم نہیں ہیں) نماز کی طیاری کی وہ عموماً کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ اور اس لباس میں ان کا ادب

اور متانت کے ساتھ وضو کرنا اور وقار و احترام کے ساتھ قطار در قطار مسجد کو جانا میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اگر مذہبی اثر سے آزاد ہو کر ترقی کریں تو ایسی ترقی سے تنزل ہزار درجے بہتر ہے۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی ہوتا رہا لیکن بہت کم لڑکے اسمیں شریک تھے۔

قدیم تعلیم اور مدارس قدیمہ

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ترکوں میں تعلیم کا آغاز سلطنت کے ساتھ ساتھ ہوا یہ وہی تعلیم تھی جس کو ہم آج قدیم تعلیم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بے شبہ کسی زمانے میں اعلےٰ درجے پر تھی چنانچہ افضل الدین خونجی۔ علامہ قوشجی چلپی۔ خواجہ زادہ حاجی خلیفہ وغیرہ کی تصنیفات آج تک اسکی یادگار ہیں۔ لیکن موجودہ تعلیم پستی کی اس حد تک پہونچ گئی ہے۔ کہ اُسکے مقابلے میں ہمارے ہندوستان کی تعلیم غنیمت ہے۔ اس سفر میں جس چیز کا تصور میری تمام مسرتوں اور خوشیوں کو برباد کر دیتا تھا وہ اسی قدیم تعلیم کی ابتری تھی۔ یہ مسئلہ آج کل ہندوستان میں بھی چھڑا ہوا ہے اور تعلیم قدیم کی ابتری پر عموماً رنج اور افسوس کیا جاتا ہے لیکن میرا افسوس دوسری قسم کا افسوس تھا۔ ہمارے ملک کے نئے تعلیم یافتہ۔ پرانی تعلیم پر جو رنج اور افسوس ظاہر کرتے ہیں وہ درحقیقت رنج نہیں بلکہ استہزا اور شماتت ہے۔ میں اگرچہ نئی تعلیم کو پسند کرتا ہوں اور دل سے پسند کرتا ہوں۔ تاہم پرانی تعلیم کا سخت حامی ہوں اور میرا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں کی قومیت قائم رہنے کے لئے پرانی تعلیم ضروری اور سخت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ تعلیم جس طریقہ سے جاری ہے وہ بالکل بے سود اور بے معنی ہے تو خواہ مخواہ نہایت رنج ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تو اس خیال سے صبر آجاتا تھا کہ جو چیز گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں نہ ہو اس کی بے سر و سامانی قدرتی بات ہے لیکن قسطنطنیہ۔ شام۔ مصر میں یہ حالت دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔

قصہ مختصر قدیم تعلیم کا یہاں کثرت سے رواج ہے۔ اور چونکہ اس قسم طالب علم

اپنی وضع و لباس سے صاف پہچانے جاتے ہیں اس لئے مسجدوں اور عام گذرگاہوں میں آسانی سے انکی کثرت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ خاص قسطنطنیہ میں ان کی تعداد بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔ انکی بسر اوقات کا جو طریقہ ہے وہ نہ صرف افسوس ناک بلکہ حیرت انگیز ہے۔ یہاں کے تمام مدارس (قدیمہ) میں تین مہینے کی متصل تعطیل ہوتی ہے جس کا آغاز رمضان المبارک سے ہوتا ہے۔ ان مہینوں میں تمام طلبا قسطنطنیہ سے باہر چلے جاتے ہیں اور دیہات، اور قصبات میں پھر کر زکوۃ تحصیل کرتے ہیں۔ یہ زکوۃ اُن کی سال بھر کی معاش ہے بعض بعض مدرسوں میں اور وہ خال خال ہیں۔ کچھ روٹیاں بھی مقرر ہیں لیکن کپڑے وغیرہ کا مطلقاً کوئی بندوبست نہیں۔ رہنے کے لئے مدرسوں کے حجرے ہیں۔ جو نہایت مختصر اور تنگ و تاریک ہیں +

طالبعلموں کی تعداد

طالبعلموں کی بسر اوقات کا طریقہ

بورڈنگ

مدرسوں کی قطع یہ ہے کہ چھوٹا سا صحن اور اُس کے تین طرف چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے ہیں اور صحن میں سقاوہ ہوتا ہے جہاں بیٹھکر وضو کرتے ہیں۔ بڑے بڑے مدرسے جو سلاطین (محمد فاتح و سلیمان وغیرہ) نے بنوائے تھے اور آج تک قائم ہیں۔ اُنکے حجرے وسیع اور ہموار ہیں۔ لیکن اور تمام مدرسوں کے حجرے ایسے مختصر اور بند بند ہیں کہ اندر جاتے ہوئے دم گھٹتا ہے باوجود ان تمام باتوں کے مجھ کو ترکوں کی علمی فیاضی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر چند کم حیثیت سہی تاہم آج سیکڑوں علمی یادگاروں کا وجود تو ہے اور انصاف یہ ہے۔ کہ یہ مدرسے جس زمانے کی یادگار ہیں۔ اُس وقت کی تہذیب تمدن کے لحاظ سے ناموزون بھی نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں تو اس وسعت اور فراخی کے ساتھ کہ بجائے خود ایک اقلیم ہے حکومت اسلام کی ششصد سالہ مدت کی ایک علمی یادگار بھی موجود نہیں +

نصاب تعلیم

تعلیم قدیم کے متعلق سب سے بڑی شکایت یہ ہے۔ کہ تعلیم کا اسٹینڈرڈ نہایت چھوٹا رکھا گیا ہے۔ علم ادب کا پتہ نہیں منطق و فلسفہ میں ایساغوجی اور شمسیہ انتہائی کتابیں ہیں صحاح ستہ شاید ہی کسی مدرسے میں پڑھائی جاتی ہو۔ معانی و بلاغت، اصول فقہ کا بھی یہی حال

ہے فقہ پر البتہ بہت کچھ توجہ ہے۔ لیکن اسکی تعلیم بھی مجتہدانہ نہیں بلکہ نہایت عامیانہ اور مقلدانہ ہے۔ بعض بعض مولویوں سے میری ملاقات تھی۔ وہ ایسے جزئی اور عام مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ کہ مجھ کو تعجب اور افسوس دونوں ہوتا تھا۔

ترکوں کی علمی حالت

ترکوں کی علمی حالت

اسلام نے دنیا کے جن حصوں پر حکومت کی وہاں کی ملکی زبان اگر بالکل مٹ نہیں گئی تو اتنا ضرور ہوا کہ علمی حیثیت کا منصب اُس سے چھن کر عربی زبان کو مل گیا۔ ہندوستان۔ فارس۔ اسپین۔ افغانستان کی ملکی زبانیں اگرچہ بالکل مختلف تھیں لیکن علمی زبان ہر جگہ عربی ہی رہی اور اب بھی ہے۔ ترک بھی اس عام اثر سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ لیکن اس خصوصیت میں ان کو تمام اسلامی قوموں میں امتیاز حاصل ہے۔ کہ انھوں نے عربی زبان کی اطاعت کے ساتھ اپنی زبان کو بھی علمی خزانوں سے محروم نہیں ہونے دیا۔ جس زمانے میں علوم قدیمہ کی حکومت تھی۔ اُس زمانے میں ترکی زبان میں ان علوم کا پورا سلسلہ موجود تھا اور اب بھی ہے۔ میں۔ نے حیرت کی نگاہ سے دیکھا کہ تاریخ ابن خلدون۔ طبری۔ ابن خلکان۔ مقریزی وغیرہ جو نہایت ضخیم کتابیں ہیں۔ اور جن میں سے بعض سات سات جلدوں میں ہیں۔ ترکی میں سب کا ترجمہ موجود ہے۔ بخلاف اسکے۔ فارس و افغانستان میں اسکی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔ ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جائے تو ایک بڑی فہرست تیار کرنی ہوگی۔

ترکی زبان میں کتابوں کا ترجمہ

میرے ایک ترک دوست نے جو متعدد زبانوں کے ماہر ہیں۔ مجھ سے بیان واقعہ کے طور پر (نہ فخریہ) بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخیں۔ ڈرامے۔ ناول۔ سفرنامہ۔ کتب انشا و بلاغت اس کثرت سے ترکی میں ترجمہ ہوگئی ہیں۔ کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم و فنون جدیدہ کی بھی سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں

اور یہی کمال اثر ہے کہ ٹرکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے ان علوم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے۔ اور اعلیٰ درجے پر ہوتی ہے۔

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں۔ علوم و فنون جدید کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اور کالجوں اور اسکولوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں عموماً مستقل تصنیفات ہیں نہ ترجمے۔ مجھ کو اس قدر فرصت اور موقع تو کہاں مل سکتا تھا کہ تمام جدید تصنیفات سے واقفیت حاصل کرتا۔ البتہ اپنے مذاق کے موافق "تاریخ و رجال" کی کتابیں دیکھیں جس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ عربی کے بعد ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں ہے۔

ترکی میں تاریخی تصنیفات

بلالحاظ اسکو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں سادہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور جس قدر کوشش اور اہتمام ہے صرف اصول روایت کے متعلق ہے بخلاف اسکے ترکی تاریخیں ان اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفۂ تاریخی کے اصول ہیں اور جنکی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچا دیا ہے۔ مکتب ملکیہ میں تاریخ کی کتاب جو درس میں داخل ہے میں نے اس کو اجمالی طور پر دیکھا۔ تمام واقعات میں علل و اسباب کا سلسلہ ملحوظ رکھا ہے۔ اور جا بجا محاکمہ اور تحقیق و تنقید کی ہے۔ اسکے ساتھ ہر عہد حکومت کے خاتمہ پر اس عہد کی تمدنی۔ اخلاقی۔ علمی حالت تفصیل کے ساتھ دکھائی ہے۔

بیوگرفی یعنی حیات و تراجم

بیوگرفی کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے جس کا نام مشاہیر رجال ہے مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام چھوڑ دیا گیا ورنہ نہایت مفید مجموعہ ہوتا۔ ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا آجکل زیر تصنیف ہے جس کا نام قاموس الاعلام ہے۔ اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں

قاموس الاعلام

اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے انکی فہرست اسکے ساتھ شامل ہے۔ میں نے عربی کتابوں کے نام پڑھے

نہایت نایاب اور مستند کتابیں ہیں اور قسطنطنیہ کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتیں کتاب
سرزنت تعجی کی ترتیب پر ہے اور اس وقت تک ن تک پہونچی ہے ۔

تاریخ کے ساتھ جغرافیہ کو بھی نہایت ترقی ہے۔ کثرت سے مفید کتابیں لکھی گئی ہیں
مجموعی دنیا اور الگ الگ آبادیوں کے بڑے بڑے نقشے اس کثرت سے طیار کئے گئے ہیں
کہ یورپ کے بعد شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوں۔ یہ نقشے نہایت باقاعدہ خوبصورت
اور موزوں ہیں۔ اور یورپ کے طیار شدہ نقشوں سے کسی بات میں کم نہیں۔ ترکوں کو اس
فن سے خاص دلچسپی ہے ۔

ترکی تصنیفات کی کثرت — ترکی تصنیفات کی کثرت کا کافی معیار میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن ایک دفعہ سررشتہ تعلیم
دفتر میں اجمالی طور پر ان کتابوں کی فہرست دیکھی جو خاص قسطنطنیہ میں صرف ایک مہینے کے
عرصے میں شائع ہوئیں۔ ان کا شمار دو ہزار کے قریب تھا۔ اگرچہ اس میں ارمنی۔ یونانی۔ فرنچ
اور اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی تھیں۔ لیکن زیادہ حصہ ترکی تصنیفات کا تھا۔
البتہ یہ افسوس ہے کہ ان میں ناول اور ڈرامے زیادہ تھے اور یہ وہی بلا ہے جو ہمارے
کمبخت ملک میں پھیلی ہوئی ہے ۔

ترکی لٹریچر — ترکی کے لٹریچر نے بھی نہایت ترقی کی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ بہت سی
خصوصیتوں میں ہماری اردو کے مشابہ ہے۔ ترکی کا قدیم لٹریچر قدیم اردو کے انداز پر رنگین۔
پرتکلف۔ استعارات سے مملو اور قوافی کا پابند تھا۔ لیکن اب نئی اردو کی طرح۔ سادگی۔
صفائی۔ برجستگی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ نئی تصنیفات بالکل اسی طرز پر لکھی جاتی ہیں۔
نئی طرز کے موجد یا استاد کمال بک۔ حامد بک۔ پروفیسر ناجی وغیرہ ہیں۔ میں نے جب ترکی پڑھنی شروع کی
قدیم تصنیفات کے پڑھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن میرے احباب نے جو میرے استاد بھی تھے۔ کہا کہ قدیم
ترکی میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور قدیم زبان کا سیکھنا نئی زبان کے لئے کافی نہ ہوگا
پروفیسر ومبری نے اپنے لکچر میں جو انہوں نے ترکوں کی موجودہ شائستگی پر دیا ہے۔ قدیم وجد

ترکی کا موازنہ کرکے موجودہ زبان کی دلاویزی صفائی، سادگی کا تعجب کے ساتھ اعتراف کیا ہے

ترک مصنفوں میں جو آجکل زیادہ نامور اور ممتاز ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔ احمد مدحت جودت پاشا، پروفیسر ناجی۔ ابوالضیا، سامی۔ علی نصرت۔ پروفیسر ناجی شاعر ہیں۔ اور گویا پایہ تخت کے شاعر ہیں۔ ملک الشعرا کا یہاں کوئی عہدہ نہیں ہے ورنہ یہ لقب انہیں کو ملتا تاہم ان کو پایہ تخت کا شاعر خیال کیا جاتا ہے۔ احمد مدحت بہت بڑا مصنف ہے اس نے ترکی حکومت کی نہایت مفصل تاریخ لکھی ہے جو بارہ جلدوں میں ہے۔ اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ انکے جواب میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے۔ جو تین جلدوں میں ہے اور مدافعہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ ترکی فارسی عربی کے علاوہ فرنچ زبان میں کمال رکھتا ہے یورپ میں جو اورینٹل کانفرنس قائم ہے اسکے متعدد اجلاسوں میں ترکی کی طرف سے وہ وکیل مقرر ہو کر گیا۔ اور اسٹاک ہالم کی کانفرنس میں عربی فارسی وغیرہ کی ڈیپارٹمنٹ کی افسری اسی کو دی گئی +

جودت پاشا نہایت معزز شخص ہیں اور جلسہ وزرا کے ایک ممبر یعنی وزیر اور یاور ہیں۔ ان کا سن ساٹھ ستر کے قریب ہے۔ اور چونکہ معمر ہونے کے ساتھ ضعیف الجثہ اور نحیف بھی ہیں۔ جلسہ وزرا میں کم شریک ہوتے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں سے قواعد عثمانیہ جو ترکی نحو وصرف میں ہے درس میں داخل ہے۔ میں ان سے ملا تھا۔ دیر تک صحبت رہی۔ عربی وفارسی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ مجھ سے عربی میں باتیں کرتے رہے۔ بڑی تعریف یہ ہے کہ باوجود دولت مندی اور عہدہ وزارت کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں +

ترکی لٹریچر کے ذکر میں اخبارات وماہوار رسالوں کا ذکر کرنا بھی ضرور ہے۔ کیونکہ آج کل یہ چیزیں لٹریچر کا ایک بڑا جزو خیال کی جاتی ہیں۔ میں بافسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے ترکی لٹریچر پستی کی حالت میں ہے۔ ترکی زبان کے اخبار تعداد میں تھوڑے نہیں ہیں بہت سے اخبار روزانہ ہیں اور بڑی آب وتاب سے نکلتے ہیں۔ عبارت بھی بہت سادہ اور شستہ

ہوتی ہے۔ اخبار کا مذاق بھی تمام ملک میں پھیل گیا ہے۔ بہت سے قہوہ خانے اخباروں کے لئے مخصوص ہیں۔ جہاں ہمیشہ کثرت سے اخبارات موجود رہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو قہوہ خانے کے بجائے قرات خانہ کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن جو چیز اخبار کی جان ہے یعنی آزادی اس کا سرے سے وجود نہیں تمام اخبارات میں بجز سرکاری احکامات اور معمولی خبروں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ترکی زبان پولیٹیکل طرز تحریر اور زور استدلال سے بالکل محروم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس زبان میں آزادی کا عنصر نہ ہو اس میں رفعت خیال۔ قوت بیان۔ زور کلام۔ جوش تاثیر کیونکر اور کہاں سے آسکتا ہے۔ عربی کو دیکھو جب تک خلافت راشدہ کا زمانہ رہا۔ اور طبیعتیں آزاد اور خودسر تھیں۔ عربی زبان جوش اور تاثیر سے لبریز تھی جس زمانے سے شخصی حکومت کی بنیاد پڑی اور خاندان بنو امیہ نے بڑے زور اور قوت سے عرب کی آزادی کو پامال کر دیا زبان میں نہ وہ تاثیر رہی نہ وہ جوش رہا۔ بے شبہ زمانہ مابعد کا لٹریچر کثرت معلومات کی وجہ سے نہایت وسیع اور دولتمند ہے۔ لیکن اس زمانے کے تمام تصنیفات چھان مارو آزادانہ طرز تحریر اور پولیٹیکل جوش اور تاثیر کا پتہ نہیں ملتا +

ان باتوں کے ساتھ مجھ کو تسلیم کرنا ضرور ہے کہ اخبارات کا آزاد نہ ہونا ترکی کے پولیٹیکل حالات کا ضروری اقتضا ہے۔ رعایا کا اختلاف مذہب سلطنت ہائے غیر کی رقابت مخالفین کی دراندازیاں اخباروں کا بات کو بتنگڑ بنانا۔ یوروپین حکومتوں کی ہمسائگی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن میں آزاد گورنمنٹ بھی یہی کرتی جو ترکی نے کیا ہے۔ حال ہی میں فرانس کی جمہوری حکومت نے ٹونس میں اخبارات کی آزادی کے متعلق جو احکام جاری کئے ان کو دیکھ کر کون انصاف پسند ہے جو تنہا ترکی کو مورد الزام قرار دے سکتا ہے +

اخبارات کے آزاد نہ ہونے کی وجہ

کتابوں کے چھپنے میں روک

البتہ کتابوں کے چھپنے کے متعلق یہاں جو روک ٹوک ہے وہ کسی قدر اعتراض کے قابل ہے یہاں عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کتاب قدیم یا جدید چھپانا چاہتا ہے تو

پہلے وہ کتاب معارف کے سر رشتہ میں پیش کیجاتی ہے۔ وہاں معائنہ اور تفتیش کا ایک جداگانہ محکمہ ہے۔ اس محکمہ کے عہدہ دار کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور انکی رپورٹ کے موافق بعض اوقات کتاب کا چھاپنا روک دیا جاتا ہے یا اس میں حک و اصلاح کی جاتی ہے۔ اس قاعدے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی۔ کہ بعض لوگ کتابوں کے چھاپنے میں نہایت بددیانتی کرتے تھے مثلاً بیروت میں عیسائیوں نے الفاظ الکتابیہ جو چھاپی اسمیں جہاں جہاں قرآن پاک کی آیتیں تھیں اور اسلامی طریقے کے موافق عنوان کے طور پر قال اللہ یا کما فی القرآن المجید تھا سب جگہ بدل کر کما قیل یا کما قال القرآن بنا دیا۔ حالانکہ کسی مسلمان کے قلم سے قرآن مجید کی نسبت ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے۔ اس سے زیادہ یہ کہ انہیں عیسائیوں نے قرآن مجید کا ایک انتخاب چھاپا ہے اور جہاں جہاں کسی آیت میں عیسائی روایتوں کے خلاف کسی واقعہ کا ذکر ہے۔ تو بین میں لکھدیا ہے کہ "یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے" ظاہر ہے کہ ایک اسلامی سلطنت اس قسم کے تصرفات کا تحمل نہیں کر سکتی اور یہی سبب ہے کہ سلطنت کی طرف سے کتابوں کے شائع ہونے کے وقت نہایت احتیاط اور تفتیش سے کام لیا جاتا ہے

لیکن افسوس ہے کہ آج کل اس کا طریق عمل اعتدال سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ صیغہ تحریف و تبدل کے روک کی غرض سے قائم ہوا تھا۔ مگر بعض اوقات اس نے خود تحریف و تغیر پر عمل کیا ہے۔ میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد النسفی چھپ رہی تھی معارف نے اس کتاب کی تمام وہ عبارت قلمزد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور الائمۃ من قریش کی حدیث مذکور ہے۔ مطبع والے نے مجبوراً اسی قلمزد نسخہ کو چھاپا۔ میں نے اصل نسخہ جس پر معارف نے یہ تصرف کیا تھا دیکھا اور مجھ کو یاد ہے کہ اس وقت میں رنج اور غصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے یہ تصرف بخیال خود سلطان کی ہوا خواہی کے جوش میں کیا ہوگا لیکن اگر حضور ممدوح کو اس سے اطلاع ہوتی تو وہ ہرگز اس کو پسند نہ کرتے۔

اخبارات تو جیسا میں نے اوپر بیان کیا قابل اعتنا نہیں لیکن میگزین اور ماہوار

رسالے جو ترکی زبان میں نکلتے ہیں۔ نہایت قدر کے قابل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور اور معروف معارف ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس رسالے میں ہمیشہ اعلےٰ درجے کے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور ترکوں میں آجکل جو لوگ علوم جدیدہ کے ماہر ہیں زیادہ تر اسی رسالے کے ذریعہ سے اظہار کمال کرتے ہیں۔ مضامین زیادہ تر نیچرل سائنس اور آلات جدیدہ کے متعلق ہوتے ہیں اور کوئی پرچہ تصویر سے خالی نہیں ہوتا۔ تعداد اشاعت بھی کچھ کم نہیں میں نے صاحب مطبع سے دریافت کیا تھا معلوم ہوا کہ پانچ ہزار پرچے نکلتے ہیں۔ معارف کے سوا اور بھی علمی پرچے ہیں اور نہایت قابلیت سے شائع ہوتے ہیں۔ ان میں رسالہ غزنتہ مصور جہان ثروت فنون میری نگاہ سے گذرے ہیں۔ یہ تمام رسالے کاغذ۔ خط۔ صفائی۔ غرض ظاہری آب و تاب میں یورپ کے مشہور رسالوں کی ہمسری کرتے ہیں ✤

اس میں شبہ نہیں کہ ترکی میں علوم و فنون کو جو روز افزون ترقی ہے اور جس کثرت سے ہر فن میں نئی تصنیفات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے لحاظ سے تمام ایشیائی دنیا پر اسکو افضلیت کا رتبہ حاصل ہے ✤

چھاپے خانے

مطابع

چھاپے خانے یہاں نہایت کثرت سے ہیں۔ اور خوش خطی۔ صفائی۔ موزونی میں ان کا جواب نہیں۔ عربی خط کا جو ٹائپ ہے اور جو ایک ترکی عالم ابو الضیا کی ایجاد ہے تمام دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے۔ عربی کتابیں آج دنیا میں جہاں جہاں چھپتی ہیں بیروت کی چھپی ہوئی کتابیں سب سے عمدہ تسلیم کی جاتی ہیں۔ لیکن خود بیروت والوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اصل میں ٹائپ ترکوں کی ایجاد ہے اور ہم اُن کے مقلد ہیں۔ چونکہ قسطنطنیہ میں عموماً ترکی کتابیں چھپتی ہیں اور وہ ان ملکوں میں نہیں آتیں اس لئے عام طور پر بیروت ہی کی شہرت ہو گئی ہے مرفوع الحال یا عام قدردانی کا اثر ہے کہ قسطنطنیہ میں جس قدر کتابیں چھپتی ہیں۔ نہایت

عمدہ اور قیمتی کاغذ پر چھپتی ہیں۔ بخلاف مصر و ہندوستان کے جہاں بجز تمباکو کے صاف کرنے کا
کاغذ کتابوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان ملکوں میں
لوگوں نے ابھی تک علم کی قدر و قیمت نہیں سمجھی +

یہ افسوس کی بات ہے کہ یہاں کوئی مطبع اتنا وسیع اور اس قدر دولتمند نہیں جیسا کہ
ہندوستان میں نولکشوری مطبع ہے۔ اس کے ساتھ یہ اور افسوس ہے کہ اکثر مطابع غیر قوموں
کے ہیں جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اس کا مالک بھی ایک عیسائی ہے مسلمانوں کے جو مطابع
ہیں۔ ان میں ترجمان حقیقت۔ مطبع عثمانیہ۔ شرکت صحافیہ۔ زیادہ ممتاز ہیں میں نے ان سب
کی سیر کی۔ **شرکت صحافیہ** اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ وہ مشترک سرمایہ سے قائم
ہے اور اس کے تمام حصہ دار مسلمان ہیں۔ کل سرمایہ ۱۸ ہزار پونڈ یعنی قریباً ۲ لاکھ روپیہ
ہے۔ تمام کام انجن کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ انجن بہت بڑا ہے اور دس بارہ کلوں کو چلاتا ہے
میں جس وقت پہونچا۔ عینی شرح بخاری چھپ رہی تھی۔ دو ضخیم جلدیں اس وقت تک
تیار ہو چکی تھیں۔ مطبع والے کہتے تھے کہ ایسی ہی آٹھ اور ہیں۔ تمام قسطنطنیہ میں مسلمانوں کا
یہی مشترک کارخانہ ہے ورنہ مسلمان۔ اولاً تجارت کو ہاتھ ہی کیوں لگاتے اور کبھی اتفاقی وجہ
سے اس کام کو کرتے بھی تو دو چار شخص ملکر کیوں کرتے۔ اس لحاظ سے یہ مطبع ایک گونہ خرق
عادت میں داخل ہے +

کتب خانے

ترتیب مضمون اور نسق کلام کی وجہ سے میں اس عنوان پر دیر میں پہونچا ورنہ ذاتی شوق اور
غایت سفر کے لحاظ سے یہی مضمون تھا جس کو میں سب سے اول اور سب سے مفصل لکھتا حقیقت
یہ ہے کہ ترکوں کے علمی کارناموں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر ہے وہ یہی کتب خانے ہیں
اسلامی دنیا کے جن حصوں میں آج تعلیم و تعلم کا چرچا ہے۔ وہ ہندوستان۔ عرب۔

مصر، شام، بلاد مغرب، فارس و ایران میں تالیف ہوئیں۔ ان میں سے اکثر مقامات کا قلمی سرمایہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور جو نہیں دیکھا ہے وہ ایسے قوی وسائل سے معلوم ہے کہ دیکھنے کے برابر ہے۔ اس بنا پر میں کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمام اسلامی دنیا میں قسطنطنیہ عربی تصنیفات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

کتب خانوں اور کتابوں کی تعداد

کل کتب خانے جو اس شہر میں ہیں ان کی تعداد ۵۰ ہے۔ شاہی کتب خانہ جو قصر ہمایوں میں ہے اور نہایت قدیم ہے ان کے علاوہ ہے۔ ان کتب خانوں کی کل کتابیں ۷۵ ہزار ہیں۔ اگرچہ یہ تعداد کچھ بڑی تعداد نہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس سے زیادہ کتابیں ہوں گی لیکن قسطنطنیہ کو جو ترجیح ہے وہ کتابوں کی عمدگی اور کمیابی کی حیثیت سے ہے۔ ان کتب خانوں میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ کتب خانہ جامع ایا صوفیہ۔ کتب خانہ جامع بایزید۔ کتب خانہ جامع ینی۔ کتب خانہ عمومیہ قدیم۔ کتب خانہ عاشر آفندی۔ شیخ الاسلام کتب خانہ اسعد آفندی۔ نقیب الاشراف۔ کتب خانہ جامع محمد فاتح۔ کتب خانہ حمیدیہ جدید۔ کتب خانہ علی پاشا شہید۔ کتب خانہ نور عثمانیہ۔ کتب خانہ لالہ لی۔ کتب خانہ حکیم اوغلی علی پاشا۔ کتب خانہ محمد پاشا کوپرلی۔ کتب خانہ قلیچ علی پاشا۔ کتب خانہ ولی الدین آفندی۔ کتب خانہ سلیمیہ۔ کتب خانہ فیض اللہ آفندی۔ کتب خانہ سلطان محمد۔ قاضی زادہ کتب خانہ جامع والدہ سلطان۔ کتب خانہ عاطف آفندی۔ کتب خانہ شہزادہ۔ داماد ابراہیم پاشا۔ کتب خانہ خسرو پاشا۔ کتب خانہ مہر شاہ۔ کتب خانہ محمد آفندی۔ کتب خانہ مصطفےٰ آفندی۔ کتب خانہ توفیق آفندی۔ کتب خانہ سلیمانیہ۔ کتب خانہ محمد آفندی مراد۔ کتب خانہ راغب پاشا۔ ان میں سے چودہ کتب خانوں کی مفصل فہرستیں چھپ کر شائع ہو گئی ہیں اور رفتہ رفتہ بقیہ فہرستیں بھی اشاعت پائیں گی۔

کتب خانوں کے لئے اوقاف

یہ کتب خانے جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے بڑے بڑے پاشاؤں اور امیروں نے قائم کیے ہیں اور سب کے سب وقف عام ہیں۔ ہر کتب خانہ کے ساتھ اس قدر جائداد بھی وقف ہے جس سے اس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم، فرش اور معمولی فرنیچر،

ملازموں کی تنخواہ ادا ہوتی رہتی ہے۔ ان امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ علمی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے ہندوستان میں مدتوں تک اسلامی حکومت رہی اور بڑے اوج وشان سے رہی بڑے بڑے نامور وزرا اور اُمرا گذرے لیکن آج ان کی ایک بھی علمی یادگار موجود نہیں۔

ان کتب خانوں سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں اُمرا کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتہً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر کتب خانوں میں وقف کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ جو انکے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں۔ خود ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جمع کرنے والوں کا علمی مذاق معمولی مذاق نہ تھا۔

کتبخانوں کی ظاہری حالت

یہ کتب خانے خوبی عمارت اور دیگر سر وسامان کے لحاظ سے معمولی درجے کے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کتب خانوں میں الماریاں تک نہیں۔ ایک چبوترہ پر جس کے گرد لوہے کا کٹہرہ ہے کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ تمام کتب خانوں میں زمین کا فرش ہے۔ البتہ اس قدر تکلف ہے کہ سامنے بنچیں بچھی ہوئی ہیں۔ جن پر کتابیں رکھکر پڑھتے ہیں۔ کتبخانۂ حمیدیہ جو حال میں قائم ہوا ہے۔ اور سلطان المعظم کے عہد مبارک کی یادگار ہے۔ اگرچہ زیادہ شان وشوکت کا ہے۔ عمارت خوبصورت اور وسیع ہے۔ میز کرسیاں۔ کوچیں۔ جس قدر ہیں۔ ان پر ریشمی گدے ہیں۔ غرض تمام باتوں میں اور کتب خانوں سے مستثنیٰ ہے تاہم الہ آباد کی پبلک لائبریری کی برابری نہیں کرسکتا۔

اوقاف کا انتظام

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے متعلق ہے۔ کتب خانے بھی گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے کتابیں اس احتیاط سے محفوظ ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے۔ ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے نہایت متدین اور راست کردار

ہیں۔ کتب خانہ عاشر آفندی کا وقف اس قدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو دو روپے ماہوار سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے۔ اس قدر دیانت دار اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں۔ کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تم کو معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔ بولا کہ **واقف** کی شرط کے موافق یہ انگور صرف اُن لوگوں کے لئے ہیں۔ جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں۔ اس لیے میں اُن سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ قلت تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے نہ رہنے کا کوئی مکان ہے کتب خانہ ہی میں رات کو پڑ رہتا ہے +

کتب خانوں کی بعض خصوصیتیں

اِن کتب خانوں کی خصوصیتیں اور انکی اجمالی کیفیت واقعات ذیل سے معلوم ہوگی۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتابیں جو یہاں موجود ہیں۔ عموماً قدیم الخط صحیح اور اساتذۂ سابقہ کی تصحیح کردہ ہیں۔ قدیم اور نایاب کتابیں جن کے دو ہی چار نسخے دنیا میں ہوں۔ ان کا صحیح ہونا سب سے زیادہ مقدم ہے ورنہ ان پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مصر کے کتب خانہ میں بھی قدیم کتابیں کچھ کم نہیں۔ لیکن اکثر زمانۂ حال کی لکھی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے چنداں صحیح اور قابل استناد نہیں۔ قسطنطنیہ کی کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ان کتابوں کے ایسے عجیب و غریب نسخے کہاں سے بہم پہونچائے ہیں۔ اسرار البلاغت عبد القاہر الجرجانی کی مجھ کو مدت سے تلاش تھی۔ ہندوستان میں صرف ایک نسخہ کا پتہ لگا۔ لیکن وہ نہایت غلط اور ناقابل اعتبار تھا۔ قسطنطنیہ میں اس کے متعدد نسخے دیکھے اور سب کے سب نہایت صحیح اور قدیم الخط۔ اسی طرح کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ تذکرہ ابن حمدون۔ معجم الادبا۔ یاقوت حموی کتاب الاشراف للبلاذری۔ تاریخ کبیر امام بخاری وغیرہ کے نسخے نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں +

نسخوں کی صحت اور عمدگی

(۲) بعض کتب خانوں مثلاً حمیدیہ قدیم میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر کتابوں کا کاغذ زریں یا زرفشاں ہے اور حاشیہ پر سنہری بیل بوٹے بنے ہیں۔ ان تکلفات کے ساتھ خط نہایت اعلیٰ درجے

خط کی عمدگی اور کاغذ کی زرافشانی

کا ہے۔ چونکہ قدیم زمانے کی کتابیں اِس تکلف کے ساتھ کم مل سکتی تھیں۔ بانی کتب خانہ نے اکثر کتابیں خود اپنے اہتمام سے طیار کرائی ہیں۔ میں نے متعدد کتابیں جن میں شفاء بوعلی سینا کا کامل نسخہ بھی تھا۔ نکلوا کر دیکھا اور صاحب کتبخانہ کی نفاست پسندی کی بیساختہ داد دی +

(۳) میرا خیال تھا کہ دولت عباسیہ کے عہد میں یونانی و مصری کتابوں کے جو ترجمے ہوئے تھے دنیا سے ناپید ہو گئے لیکن یہاں آکر اِس خیال کی غلطی ثابت ہوئی۔ اگرچہ جس کثرت سے ترجمے ہوئے تھے اُس کے اعتبار سے تو موجود سرمایہ کبھی نہ ہونے کے برابر ہے تاہم جس قدر موجود ہے یہ بھی غنیمت ہے +

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں کو قدیم تصنیفات کے ساتھ خاص اعتنا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اِس باب میں یورپ کی کوششوں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کا ایک نہایت مفید اور جامع خلاصہ لکھا تھا۔ یہ اصلی خلاصہ مفقود ہو گیا ہے۔ لیکن لاٹین میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا جو اِس وقت تک یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہے۔ اسعد آفندی ایک ترکی عالم نے اس لاٹین خلاصہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اور جا بجا کچھ اضافے کئے۔ میں نے یہ ترجمہ راغب پاشا کے کتب خانہ میں دیکھا بہت بڑا مجموعہ ہے اور ترکوں کی علمی کوششوں کا عمدہ نمونہ ہے +

تاریخ اور ادب کی نایاب تصنیفات

(۴) فن تاریخ و ادب میں بعض ایسی تصنیفات دیکھیں۔ جن میں وہ جدت ہے۔ جس کو میں مدت سے تلاش کرتا تھا اور یورپ کی تصنیفاتِ حال کے سوا اِس قسم کی طرز تصنیف کا کہیں پتہ نہ لگتا تھا مثلاً قضاۃ کے حالات میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن کسی نے اِس طرف توجہ نہیں کی کہ حالاتِ زندگی کے ساتھ اُن کے فیصلے اور احکام بھی نقل کرتا کہ آج کے طریقۂ انفصال مقدمات کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جا سکتا کتب خانہ بنی جامع میں اِس قسم کی ایک کتاب موجود ہے۔ مصنف کتاب کا نام ابوبکر محمد بن خلف وکیع ہے جو نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے اور تمام واقعات کو بسند متصل بیان کرتا ہے

اس کتاب میں التزام کیا ہے کہ ہر شخص کے حال کے ساتھ اس کے بہت سے فیصلے اور تجویزیں بھی نقل کی ہیں اور مقدمات کی صورت بیان کی ہے +

فن ادب میں میں نے اس قسم کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی بلکہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی کوئی کتاب مسلمانوں نے کبھی لکھی ہوگی جس میں مضامین شعری کی تاریخ ہو یعنی فلاں مضمون۔ اول فلاں شاعر نے لکھا پھر رفتہ رفتہ فلاں فلاں شاعر نے یہ اضافہ کیا یا اس طرح اس کی صورتیں بدلیں۔ **عاشر آفندی** کے کتب خانہ میں میں نے ایک بڑی ضخیم کتاب خاص اس موضوع پر دیکھی۔ مصنف نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ ہر قسم کے مضامین عرب جاہلیۃ نے ایجاد کئے۔ پھر متاخرین نے اُن کو ترقی دی۔ اور نئے نئے پیرائے نکالے تمام کتاب اسی دعویٰ کے ثبوت میں ہے۔ مصنف ہر مضمون کے لئے عرب جاہلیۃ کا ایک شعر نقل کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ اسلامی شعرا میں سے فلاں شاعر نے اسی مضمون کو ذرا بدل کر اس طرح لکھا۔ پھر دولت بنوامیہ اور عباسیہ کے شعرا نے اُسی سے اور اور صورتیں پیدا کیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر مصنف کی وسعت نظر اور دقیقہ سنجی پر حیرت ہوتی ہے اور ساتھ ہی افسوس ہوتا ہے کہ متاخرین اس قسم کی نادر تصنیف کی پیروی نہ کر سکے۔ کہ آج اس مضمون پر متعدد کتابیں ملتیں +

حکما اور ائمہ فن کی تصنیفات

(۵) مشہور حکما اور ائمہ فن کی کتابیں جس کثرت سے یہاں موجود ہیں اور کہیں نہیں مل سکتیں۔ امام غزالی۔ بوعلی سینا۔ فخر رازی۔ فارابی کی وہ کمیاب تصنیفات جن کے نام صرف ابن خلکان وغیرہ کے ذریعہ سے معلوم ہیں۔ اکثر یہاں موجود ہیں۔ معارف و حقیقت کے متعلق بوعلی سینا اور حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر کی آپس میں جو خط و کتابت وقتاً فوقتاً ہوئی ہے وہ رسالوں کی شکل میں موجود ہے +

ابن سینا کی نسبت یہ امر مدتوں سے بحث طلب ہے کہ اس نے فلسفۂ یونانی پر کچھ اضافہ کیا ہے یا نہیں۔ کتاب الشفا میں اُس نے لکھا ہے کہ "میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ ارسطو

کا فلسفہ ہے اپنے خاص فلسفہ کو میں نے حکمۃ مشرقیہ میں لکھا ہے" یورپ والوں کو اس کتاب یعنی حکمت مشرقیہ کی نہایت تلاش ہے اور چونکہ ان کو یہ کتاب نہیں مل سکی۔ اس لئے پروفیسر منک نے اپنی کتاب ربط فلسفۃ الیہود والاسلام میں لکھا ہے" کہ حکمۃ مشرقیہ ہم کو ملتی نہیں اور جو کتابیں ملتی ہیں اُن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن سینا نے کچھ اضافہ نہیں کیا" کتب خانہ جامع ایا صوفیہ میں اس نایاب کتاب کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے مسلمان تو اس کے پڑھنے اور فلسفہ یونانی سے موازنہ کرنے کی زحمت کب گوارا کرتے لیکن اگر یورپ والوں کو یہ کتاب ملجاتی تو کچھ شبہ نہیں کہ اس بحث کا کہ مسلمانوں نے فلسفہ یونانی میں کچھ اضافہ کیا یا نہیں قطعی فیصلہ ہو جاتا میں نے قلت فرصت کی وجہ سے اس کتاب کو سرسری طور پر دیکھا۔ بظاہر اس میں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زیادہ تدقیق کی نگاہ سے دیکھنے کا موقع ہوتا تو کچھ رائے قائم ہوسکتی +

تاریخ اور ادب کی بعض کتابوں کے نام

تاریخ اور ادب کی نایاب کتابیں جو میں نے یہاں دیکھیں۔ ان میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی تمام وکمال۔ تاریخ اسلام از علامہ ذہبی ۸ مجلد۔ تاریخ الحکما از جمال الدین القفطی۔ تاریخ کبیر امام بخاری ۳ مجلد۔ تجارب الامم ابن مسکویہ۔ منتظم لابن الجوزی۔ مرآۃ الزمان لسبط ابن الجوزی۔ مسالک الابصار لابن فضل اللہ ۲ مجلد۔ عقد الجمان البدر الدین العینی ۱۸ مجلد۔ مختصر تاریخ دمشق ابن عساکر بجمال الدین بن مکرم الانصاری ۱۳ مجلد۔ رحلۃ ابن خلدون۔ نہایۃ الارب للنویری۔ طبقات الادبا لیاقوت الحموی۔ طبقات کبری لابن سعد۔ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی۔ کتاب الاشراف البلاذری تمام وکمال سیرۃ العمرین لابن الجوزی۔ کتاب البیان والتبیین للجاحظ۔ صناعتین للعسکری۔ دلائل الاعجاز لعبد القاہر الجرجانی۔ تذکرہ ابن حمدون۔ شرح تبریزی بر دیوان ابو تمام۔ دیوان ابو نواس مکمل۔ سرقات المتنبی لابن العمید۔ مجموعہ رسائل ابو اسحق صابی +

کتب خانوں کے ذکر میں مجھ کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ نایاب

کتب خانوں سے یہاں کے باشندوں کا متمتع نہ ہونا

کتابیں یہاں بالکل بیکار ہیں۔ اولاً تو یہ کتب خانے دن میں صرف دو تین گھنٹے کے لیے کھلتے ہیں اس کے ساتھ سال میں دو تین مہینے متصل تعطیل رہتی ہے ان باتوں کے ساتھ اہل علم کے مذاق کی یہ کمی ہے کہ نایاب اور قدیم کتابیں یوں ہی پڑی رہتی ہیں۔ کوئی شخص ان کو اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کتب خانوں میں میں جب لوگوں کو کتابوں کے مطالعہ میں مشغول دیکھتا تھا۔ تو ہمیشہ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ کہ کس قسم کی کتابیں ان کے پیش نظر ہیں۔ لیکن میں نے کسی کے سامنے۔ مختصر معانی۔ ایساغوجی۔ شرح وقایہ۔ جلالین وغیرہ کے سوا کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ البتہ کبھی کبھی غیر ملکوں کے نامور علما آ نکلتے ہیں ان کو نایاب اور عمدہ کتابوں کی جستجو رہتی ہے +

حقیقت یہ ہے کہ کل دنیائے اسلامی میں تعلیم کا طریقہ ایسا ابتر اور ذلیل ہو گیا ہے کہ چند درسی کتابوں کے سوا لوگوں کو کسی قسم کی جدید معلومات کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ جدت اور ایجاد کا مادہ قوم سے مسلوب ہوتا جاتا ہے اور جس قدر کہیں کہیں کچھ رہ گیا ہے آیندہ اسکی بھی امید نہیں +

تنبیہ۔ میں نے کتب خانوں کے بیان میں جو تفصیل کی وہ ایک خاص غرض سے کی۔ اور میں چاہتا ہوں کہ قوم کو اسکی طرف متوجہ کروں یورپ میں اس قسم کی متعدد انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد قدیم عمدہ کتابوں کا بہم پہونچانا اور ان کو چھاپ کر شائع کرنا ہے۔ انہیں انجمنوں کی بدولت عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہم کو میسر آئی ہیں جن کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ یہی انجمنیں ہیں جنہوں نے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا کامل نسخہ بہم پہونچایا۔ اور اسکی بہت سی جلدیں چھاپ کر شائع کیں۔ حالانکہ مصر و روم کے علما اس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے اور شاہ عبد العزیز صاحب نے تو یقین دلا دیا تھا۔ کہ وہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ بے شبہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہم کو اس کا علانیہ اقرار کرنا چاہیئے۔ بزرگان قوم سے میری درخواست ہے کہ وہ اس قسم کی

ایک عظیم الشان انجمن بنائیں۔ عام چندے سے کافی سرمایہ جمع کیا جائے۔ قابل اور لائق مصنفین کتابوں کے انتخاب کے لیئے ممبر مقرر ہوں قسطنطنیہ اور مصر سے کتابیں نقل کرا کر منگائی جائیں اور چھاپ کر شائع کی جائیں۔ یہ کام بظاہر عظیم الشان اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اگر چار کروڑ مسلمانوں میں سے ... امسلمان بھی آمادہ ہو جائیں اور ایک قلیل مقدار چندے کی دینا گوارا کریں تو اس کام کا انجام پانا کچھ مشکل نہیں۔ حیدر آباد میں دائرۃ المعارف الدکنیہ کے نام سے جو انجمن قائم ہے اور جس کے ایک معزز ممبر نواب اقبال یار جنگ بہادر ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ وہ ہماری گزارش پر توجہ کریگی ہم شکر گزاری کے ساتھ اسکی علمی فیاضیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو ہن کو اس سے زیادہ فیاضیوں کی ضرورت ہے اور ہم کو امید ہے کہ دائرۃ المعارف اور زیادہ توجہ اور اہتمام سے اس مقصد پر متوجہ ہوگی ۔

زوایا یا خانقاہیں

خانقاہیں جن کو یہاں تکیہ اور زوایا کہتے ہیں نہایت کثرت سے ہیں۔ اخیر رپورٹ جو مرتب ہوئی ہے اُس میں ۳۰۵ خانقاہوں کے نام مع تفصیل مقام و دیگر حالات کے درج ہیں۔ لیکن خانقاہ کے لفظ سے وہ معنی مقصود نہیں جو ہمارے ملک میں مستعمل ہیں۔ ان ممالک میں یہ ایک عجیب فیاضانہ طریقہ ہے جو درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ہر ملک اور ہر فرقہ کے لئے جدا جدا خانقاہیں ہیں۔ اُس ملک اور فرقہ کا مسافر وہاں آنکلتا ہے تو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے خانقاہ میں جا سکتا ہے۔ اور جب تک چاہے قیام کر سکتا ہے کھانا اور ایک وقت کی چائے مفت ملتی ہے۔ یہ فیاضی یہاں تک عام ہے کہ باوجود بعد مسافت اور بے تعلقی کے قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس حلب۔ موصل۔ دیار بکر۔ ان تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے لیئے جدا خانقاہیں ہیں۔ اور اُن کے

لئے گوشت اور جنس کی ایک مناسب مقدار مقرر ہے +

یہ خانقاہیں امرا اور رئیسوں نے قائم کی ہیں۔ اور اسقدر جائداد وقف کر دی ہے۔
جس سے مقررہ مصارف ہمیشہ ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر خانقاہ میں ایک شیخ ہوتا ہے۔
جس کو معقول تنخواہ و خوراک ملتی ہے اور خانقاہ کا تمام انتظام اُس سے متعلق رہتا ہے
میں نے متعدد خانقاہوں کی سیر کی بعض بعض کی عمارت خوش نما اور موزوں ہے۔
کھانے کی نوعیت اور مقدار بھی کافی ہے۔ خاص قسطنطنیہ کی خانقاہوں کے سالانہ مصارف
کا تخمینہ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا یہ بہت بڑا
ثبوت ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس زمانے میں یہ طریقہ قائم ہوا تھا۔ اُس عہد
کے لحاظ سے نامناسب بھی نہ تھا +

تم نے عربی تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ تمام ممالک اسلامی میں سیاحوں اور طالب علموں
کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا وہ انہیں خانقاہوں اور زاویوں کی بدولت تھا۔ ابن بطوطہ
کو اپنے عالمگیر سفر میں اسی طریقہ کی وجہ سے مدد ملی تھی۔ چنانچہ اُس نے سفرنامے میں
ان زاویوں کو نام بنام لکھا ہے۔ لیکن یہ قدرتی بات ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن
آتے ہیں تو مفید تدبیریں مضر بنجاتی ہیں۔ مسلمانوں کو سیر و سیاحت۔ جغرافیانہ تحقیقات
تحصیل علم کا مذاق تو جاتا رہا۔ اس لئے اب یہ طریقہ کاہلی۔ مفت خوری۔ دریوزہ گری کا ایک
ذریعہ رہ گیا ہے اور قومی زندگی کو نہایت نقصان پہونچا رہا ہے۔ میں نے اکثر خانقاہوں
میں خود جا کر دیکھا۔ کئی کئی برس کے آئے ہوئے مسافر پڑے ہیں۔ نہ کسی قسم کا شغل ہے نہ کچھ کام
ہے۔ لکھنؤ کے عہدیوں کا جو حال سنا کرتے تھے۔ یہاں آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ شیوخ
جن کو خانقاہ کا انتظام سپرد ہوتا ہے اور تمام نقد و جنس انکے اہتمام میں رہتی ہے عموماً خائن اور
بددیانت ہیں۔ خود نہایت آرام و عیش سے بسر کرتے ہیں۔ اور مسافروں کے لیئے جو مقدار مقرر ہے
اُس کا آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی بھی ان کو نہیں دیتے۔ ہندی خانقاہ کے شیخ ایک

خانقاہوں سے قومی زندگی کو نقصان پہونچانا

صاحب ہیں۔ انہوں نے کئی بیبیاں کر لی ہیں۔ خانقاہ سے الگ ایک مکان بنوالیا ہے اکثر
وہیں رہتے ہیں۔ ڈھائی سیر گوشت جو روزانہ خانقاہ کے لئے مقرر ہے وہ قریباً کل حضرت کے
تصرف میں آتا ہے اور مسافروں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ خانقاہ کی عمارت
جا بجا سے ڈھے چلی ہے۔ صحن میں ایک کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ
وحشت اور ویرانی کی پوری تصویر ہے۔ میں نے اور جن خانقاہوں کو دیکھا وہ اگرچہ ہندی
خانقاہ سے ہر بات میں بہتر تھیں۔ لیکن دیانت اور راست بازی کا پتہ کہیں نہیں ملتا۔
اس طرح کئی لاکھ سالانہ کی رقم نہایت بُری طرح برباد ہوتی ہے۔

مساجد جامع۔ اور مشہور مقامات

جامع مسجدوں کی کثرت اور ان کی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے قسطنطنیہ
دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ محمد فاتح کے عہد سے جو اس دارالخلافہ کا پہلا تخت نشین تھا
آج تک جس قدر فرمانروا گزرے ہر ایک کی (بجز چند کے) ایک جامع مسجد موجود ہے۔
اور بڑی شوکت و شان کی ہے۔ ان میں سے جامع فاتح۔ جامع سلیمان۔ جامع بایزید۔
جامع والدہ سلطان۔ جامع سلطان احمد۔ جامع ایا صوفیہ زیادہ ممتاز ہیں اور ان سب میں
جامع ایا صوفیہ اور بھی زیادہ عالیشان اور پُر شوکت ہے۔ ان مسجدوں کی وضع ہمارے
یہاں کی مساجد سے بالکل الگ ہے۔ نہ دالان نہ محرابیں۔ نہ صحن۔ صرف ایک گنبد ہوتا
ہے۔ لیکن اس قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی اس میں آسکتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کے مذاق
کے لحاظ سے ان مسجدوں کو خوبصورت اور موزوں نہیں کہہ سکتے تاہم گنبد کی بے انتہا
وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعتہً متحیر بلکہ مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتا ہے
ہر مسجد میں کئی کئی سو بتیوں کے آہنی جھاڑ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ کا رواج بہت قدیم
زمانے سے ہے اسپین کی عربی تاریخوں میں ثریا کے لفظ سے غالباً اسی قسم کے جھاڑ مراد ہیں۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں شیشے اور بلور کے ہوتے تھے یہاں لوہے کے ہیں۔ عموماً تمام مساجد میں ایک خاص التزام ہے اور اس سے قیاس ہوتا ہے کہ سلاطین ترک کو مذہب تسنن میں نہایت غلو تھا اور بات بات میں اس کا اظہار کرتے تھے۔ عموماً ہر مسجد میں چار بڑی بڑی ڈھالیں چار کونوں پر ہوتی ہیں اور ان پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حرفوں میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی لکھا ہوتا ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح زیب و آرائش کے لئے دیواروں پر استادوں کے لکھے ہوئے قطعے لٹکاتے ہیں +

مسجد کی آراستگی

تمام مسجدیں پر تکلف اور آراستہ ہیں معمولاً چٹائی اور جمعہ و عیدین کو عمدہ اور بیش قیمت قالین کا فرش بچھتا ہے۔ مسجد کے ایک طرف کچھ زمین چھوٹی ہوتی ہے جس میں وضو کرنے کے لئے سقاوہ بنا ہوتا ہے۔ میں نے اس بات کو نہایت پسند کیا کہ یہاں حوض کا مطلق رواج نہیں۔

جامع ایاصوفیہ

جامع ایاصوفیہ جو سب سے زیادہ عالیشان ہے اور تمام مسجدیں اسی کے نمونے پر بنی ہیں در اصل ایک بہت بڑا گرجا تھا جس کو قسطنطین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اسکی تعمیر جاری رہی اور سو معمار اور دس ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ محمد فاتح نے کسی قدر تغیر کرکے اس کو مسجد بنا لیا۔ ابن بطوطہ نے اس کو گرجا ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ یہ رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے اور چونکہ کوئی غیر شخص اسکے اندر نہیں جا سکتا اس لئے اندر کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ باہر سے اسکی یہ صورت ہے کہ ایک میل کا احاطہ تمام زمین میں رخام کا فرش ہے۔ بیچ میں ایک نہر ہے جسکے دونوں کنارے پر ایک ہاتھ رخام کی دیوار ہے اس دیوار میں عمدہ پچی کاری کا کام ہے۔ اور نہایت عمدہ بیل بوٹے بنے گرجے کا دروازہ چاندی اور سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اس گرجے میں دن رات رہتے ہیں"۔

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی افسوس وہ اب باقی نہیں رہی۔ احاطہ جس میں نہر تھی مسجد سے بالکل باہر ہے اور قہوہ خانہ بن گیا ہے +

واقعی یہ عمارت عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے بیچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۰ فٹ ہے ۱۷۰ ستون ہیں اور کل سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار ہاتھ سے کم نہیں۔ دروازہ جو قسطنطین کے زمانے کا ہے اور تانبے کا ہے اس پر قدیم زمانے کی تصویریں بنی ہیں۔ اور اب تک قائم ہیں۔ چھت پر حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت مریم کی جو تصویریں تھیں۔ اُنکے آثار اب بھی موجود ہیں +

قابل دید مقامات

قابل دید مقامات بہت ہیں مثلاً یونانیوں کے معابد قدیم سلح خانہ۔ خزانہ یعنی جہاں تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصلی لباس اسلحہ و جواہرات کے ہیں توپوں کے ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ قدیم جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے ہیں۔ اس میں سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن میں اکثر مقامات کو نہ دیکھ سکا۔ اس لیئے اُنہیں پر اکتفا کرتا ہوں جنکی خود میں نے سیر کی +

ترس خانہ۔ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے اور چونکہ حربی صیغہ سے تعلق ہے محکمہ بحریہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا۔ خوش قسمتی سے محکمہ بحریہ کے ایک معزز عہدہ دار ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے شناسا تھے۔ اُنہوں نے مہربانی سے ایک عہدہ دار کو ساتھ کر دیا۔ جس نے ہم کو تمام کارخانے کی بخوبی سیر کرائی۔ یہ صاحب عربی خوب سمجھتے اور بولتے تھے۔ اور اس وجہ سے ہم ہر ایک بات کو تفصیلاً دریافت کر سکتے تھے۔ یہ کارخانہ مختلف حصوں میں منقسم ہے جس کا صدر مقام ایک بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں متعدد بڑے بڑے انجن ہیں اور اُن کے ذریعے سے سیکڑوں کلیں چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اول ہم کو اوپر کے درجے کی سیر کرائی۔ پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ وہاں چند معزز افسر ایک ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ طیار کر رہے تھے۔ نقشہ جب طیار ہو جاتا ہے۔ تو دوسرے آفس میں بھیجدیا جاتا ہے۔ جہاں اُس نقشے کے موافق جہاز کا مختصر

سا نمونہ طیار کیا جاتا ہے۔ یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے یہ نمونہ اول سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے۔ اور منظوری کے بعد اسی کے نمونے کے موافق جہاز طیار کیا جاتا ہے۔ اِن نقلی جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں کیا سمجھ سکتا تھا لیکن بظاہر نہایت دقت نظر اور اُستادی کا کام معلوم ہوتا تھا۔

اِن چیزوں کو دیکھکر ہم نیچے اُترے۔ یہاں سیکڑوں کلیں چل رہی تھیں اور جدا جدا کام ہو رہے تھے۔ ایک طرف پُرزے ڈھل رہے تھے۔ ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سیکڑوں من کا گھن پڑتا تھا اور چادریں بنتی جاتی تھیں۔ اِس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے۔ وہاں ایک جہاز تھا جو بالکل طیاری کے قریب تھا۔ صرف چادر چڑھانی باقی تھی۔ ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو اسی کارخانہ سے طیار ہوئی تھیں اور سمندر میں ڈالی گئی تھیں۔ ان جہازوں میں اوپر کے درجے میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سارا جہاز لکڑی کا ایک سپاٹ تختہ نظر آتا ہے۔ آلاتِ حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں۔ یعنی باورچیخانہ۔ خوابگاہ کھانے کا کمرہ۔ غرض جو کچھ ہوتا ہے وہ اندر ہوتا ہے۔ ہمارے رہنما نے ہم کو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی۔ لیکن چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا اور ہم جلد باہر نکل آئے نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ صرف ترک چلاتے ہیں۔ تمام افسر اور کاریگر اور ملازم ترک ہیں۔ صرف ایک یورپین معمولی درجے کا ملازم ہے اور وہ بھی قدامت کے لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے۔ انجن بھی یہاں تیار ہوتے ہیں اور ترکوں کا بیان ہے کہ یورپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے ایک افسر نے مجھ سے کہا کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہم کو یورپ کی احتیاج نہیں رہی۔

تارپیڈو کی کشتیاں

ینگ چری ترکوں کی تاریخ میں ینگ چری کا لفظ نہایت امپارٹنٹ لفظ ہے سلطان آرخاں نے جو سلاطین ترک میں دوسرا تخت نشین تھا ۷۶۱ھ ہجری میں حکم دیا کہ

اسیران جنگ سے جو ہر سال کثرت سے گرفتار ہوکر آتے تھے ایک خاص تعداد منتخب ہوکر ایک فوج طیار ہوئی۔ حاجی بکتاش نے جو سلطان کا مرشد تھا اس فوج کا نام ینگ چری رکھا۔ جس کے معنی ترکی زبان میں فوج جدید کے ہیں۔ فتوحات کی کثرت سے اس فوج کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست و بازو بن گئی۔ یہ عجیب بات ہے اگرچہ یہ گرفتاران جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے۔ اور اور فوج میں داخل ہوکر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے۔ تاہم ترکی حکومت کے ساتھ اُن کو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ترکوں نے جو ایک مدت تک یورپ کو اپنا صید گاہ بنا رکھا تھا وہ انہیں جانبازوں کی بدولت تھا۔ ۱۸۲۶ء میں جب سلطان المحمود نے یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا۔ تو ان لوگوں نے بغاوت کی سلطان نے ایک جدید فوج پہلے سے طیار کر رکھی تھی۔ اہل شہر نے بھی شاہی جدید فوج کا ساتھ دیا۔ غرض خاص قسطنطنیہ میں ایک سخت معرکہ ہوا۔ ینگ چری فوج بالکل برباد ہوگئی۔ اس کے ساتھ شاہی فوج کو بھی سخت نقصان پہونچا اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام جان سے مارے گئے۔

یہ مکان اسی معرکہ کی عبرت انگیز یادگار ہے وزیر اعظم۔ شیخ الاسلام اور ینگ چری فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں ہیں سپاہیوں اور سپہ سالاروں کی پر رعب شکلیں۔ قدیم زمانے کا لباس اور اسلحۂ حرب۔ سکوت اور خاموشی کا عالم تمام باتیں جمع ہوکر کچھ ایسا ہیبت انگیز سماں پیدا ہوگیا ہے کہ دن کو وہاں جاتے ڈر لگتا ہے۔ دو پہلوانوں کو میں نے دیکھا سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق۔ سر پر خود۔ چہرہ پر علم۔ ہاتھوں میں آہنی دستانے۔ بدن میں زرہ اور چار آئینہ۔ ٹخنوں تک کے آہنی موزے۔ غرض آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا دریافت سے معلوم ہوا کہ گرزئی جوان ہیں۔ یہ خاص بارگاہ کی خدمت پر مامور تھے۔ میرے تخمینہ میں ایک من لوہے سے کم بوجھ اُن کے

بدن پر رہتا تھا۔ تعجب ہے کہ اس قدر وزن کے ساتھ وہ لڑتے کیونکر تھے۔ افسروں کے لباس عجیب و غریب قسم کے ہیں۔ بعض بعض کی پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھر اونچی ہیں۔ یہاں ہر وقت سرکاری پہرہ رہتا ہے اور ٹکٹ حاصل کرنے کے بغیر کوئی شخص وہاں جا نہیں سکتا +

عجائب خانہ

موزہ خانہ یعنی عجائب خانہ۔ عجائب خانے دو ہیں۔ ایک سرکاری جہاں نہایت قدیم زمانے کے پتھر اور کتبے اور اس قسم کی یادگار چیزیں ہیں۔ سکندر یونانی کا سنگی تابوت بھی ہے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو اس کی سیر کا اتفاق نہیں ہوا +

دوسرا کسی عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے۔ عمارت اور اور تمام چیزیں معمولی ہیں۔ جو کچھ سیر کے قابل ہے وہ دنیا کے مختلف حصوں کے آدمیوں کی مورتیں ہیں۔ یہ مورتیں اس خوبی سے بنائی ہیں کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک عورت دیکھی جس کے ہونٹ نہایت موٹے تھے اور نیچے کے ہونٹ میں آرپار چھید کر کے لکڑی کی گلی ڈالی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ وہاں کا زیور ہے۔ پہلے تو مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ پھر خیال آیا کہ ہمارے ملک میں ناک۔ کان چھید کر نتھ اور بالیاں وغیرہ پہناتے ہیں۔ تو ہونٹوں نے کیا قصور کیا ہے کہ اس زینت سے محروم رکھے جائیں +

ایک درد انگیز تماشا

یہاں میں نے ایک عجیب درد انگیز تماشا دیکھا جس کا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرے میں چند عورتیں ہیں جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک شکنجہ میں دابی جا رہی ہے ایک کی پیٹھ پر جلتے ہوئے لوہے کی پٹری رکھدی ہے کہ گردن سے لیکر کمر تک چار چار انگل کھال اتر گئی ہے۔ اسی طرح اوروں کو عجیب عجیب طریقے سے اذیت دیجا رہی ہے۔ یہ عورتیں صورت اور وضع و لباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کم سن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں۔ سخت تعجب ہوتا تھا کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیبیوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کی ہوگی!! دریافت سے معلوم ہوا کہ اسپین میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ تو عموماً مسلمان تبدیل

مذہب پر مجبور کیئے گئے اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا اُن کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور بیکسی اور کمزوری کے لحاظ سے عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اسی عبرت انگیز واقعے کی یادگار ہیں۔ اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ آہا! یہی عیسائی ہیں جو ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا!!! -

میں یہ معمہ نہ سمجھا کہ عجائب خانے کے بانی نے جو عیسائی ہے اِن تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پُر فخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے؟ اور حکومت ترک جو اُس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے دوبارہ منظر عام پر لائے جائیں +

سیر گاہیں

قسطنطنیہ اور اُس کے اطراف و جوار میں کثرت سے عجیب پر لطف قدرتی سیر گاہیں ہیں اور غنیمت یہ ہے کہ شہر والے اس نعمت کے قدر شناس بھی ہیں۔ ہر سیر گاہ کے لیئے ایک خاص دن مقرر ہے اُس دن وہاں عجب پر لطف مجمع ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ملک والے قدرتی مناظرہ کے مذاق سے آشنا نہیں ورنہ خاص ان سیر گاہوں کے دیکھنے اور اُن سے مزہ اُٹھانے کے لیئے لوگ قسطنطنیہ کا سفر کرتے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہ خیال کی جاتی۔ ان میں سے میں نے دو تین کی سیر کی اور انکے مختصر حالات لکھتا ہوں +

خونکر صوئی

خونکر صوئی قسطنطنیہ کی تمام سیر گاہوں میں سب سے زیادہ پر لطف اور دلفریب ہے۔ اسی بنا پر اسکو سلطان المعظم کے نام سے منسوب کیا ہے۔ خونکر۔ فارسی لفظ خونگر کی تحریف ہے ترکی میں خون کا مالک یا خوں ریز بادشاہ وقت کو کہتے۔ اور صوئی کے معنی پانی اور چشمہ کے ہیں۔ اس بنا پر خونکر صوئی کا لفظی ترجمہ "شاہی چشمہ" ہے۔ یہ مقام شہر سے

بیس پچیس میل کے فاصلے پر ہے۔ پہاڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور نہایت شاداب اور سرسبز ہے۔ اس میں ایک قطعہ نہایت موزوں نکل آیا ہے جو پہاڑ کی بلند سطح پر واقع ہے۔ خاص جس جگہ تماشائیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ وہ نہایت پُرلطف مقام ہے سایہ دار درختوں کی دورویہ قطاریں ہیں۔ جہانتک نظر کام کرتی ہے۔ سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ ایک طرف آبشار ہے۔ جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوتا جاتا ہے۔ درختوں کے نیچے جابجا دو دو چار چار آدمیوں کی ٹکڑیاں ہوتی ہیں۔ چائے اور قہوہ کا دور چلتا ہے۔ حوض پر باجا بجتا ہے اور فرنچ اور ترکی گانا ہوتا ہے۔ بھانڈ نقلیں کرتے ہیں +

پانچ چھ زینے چڑھ کر پہاڑ کی اصل چوٹی ہے اور وہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے۔ یہ خاص عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور کثرت سے ٹرکش لیڈیاں جمع رہتی ہیں نازک اندام عورتوں کے لیے بیس تیس میل کی مسافت۔ پہاڑ کی چڑھائی۔ گھوڑے یا خچر کی سواری کچھ کم تکلیف کی بات نہیں لیکن یہ جگہ کچھ ایسی دلاویز ہے کہ سب تکلیفیں اس کے لئے گوارا کی جاسکتی ہیں +

مقری کوئی

مقری کوئی۔ یہ ایک قہوہ خانہ ہے جو سمندر کے کنارے پر ہے اور نہایت پرفضا مقام ہے۔ موجیں باربار کراڑے سے آکر ٹکراتی ہیں اور عجب مزہ آتا ہے۔ یہاں ایک خاص بات یہ ہے کہ چھ سات یہودی عورتیں ایک بلند چبوترہ پر بیٹھکر عربی گیت گاتی ہیں۔ چونکہ میں نے اس سے پہلے عربی راگ نہیں سنا تھا۔ مجھ پر ایک خاص اثر ہوا سب ملکر ساتھ گاتی تھیں۔ اور دف کی قسم کا ایک باجا بجاتی جاتی تھیں +

محرم

قسطنطنیہ کا محرم

یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے۔ اہل عجم جو مختلف تعلقات کی وجہ سے یہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ اُن کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے بیت سرکاری

محکموں میں ملازم ہیں۔ بہت سے تاجر۔ پیشہ ور۔ اور مزدور ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن کثرت سے جہاں رہتے ہیں وہ والدہ خانہ نام ایک محلہ ہے محرم کے زمانے میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت اللفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے اور در حقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر زبانی جناب امیر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے۔ پھر ایک مستعد عالم ممبر پر بیٹھکر حالات کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے۔ مجھ کو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ ترک عموماً ان محفلوں میں ادب اور خلوص کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہانتک کہ ترکوں کے لحاظ سے بجز ایک دو موقع کے تمام مجلسوں میں وعظ جو ہوتا ہے ترکی ہی زبان میں ہوتا ہے ۔

ماتم کے چند طریقے ہیں۔ اور بعض نہایت عجیب اور موثر ہیں۔ ادنے درجے کا ماتم یہ ہے کہ نہایت زور سے چھاتی پیٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس جگہ کا گوشت ابھر آتا ہے۔ دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنا ہے تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے۔ اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں۔ کہ دور تک آواز جاتی ہے تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنیکا ہے۔ اور وہ شب شہادت کے ساتھ مخصوص ہے ماتم کرنیوالے ہاتھوں میں تلواریں لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور عجیب جوش و خودرفتگی کے عالم میں یا حسین کہے جاتے اور سر و پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں۔ زخموں سے خون کی چھینٹیں اڑ اڑ کر تمام بدن پر پڑتی ہیں اور حلقۂ ماتم گویا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اس عبرت انگیز ہنگامہ کے دیکھنے کے لئے خلقت کا نہایت اژدحام ہوتا ہے۔ اور مشکل سے وہاں تک رسائی ہوتی ہے ۔

سلاملق یا موکب سلطانی اور عید الضحیٰ

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پر اثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں۔ اس لئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے باہر نہیں نکلتے۔ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے۔ زبان یا قلم کے ذریعے سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشا دیکھتے ہیں یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں۔ اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے۔ معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ چنانچہ ہر جمعہ کو ان تماشائیوں کا ایک معتد بہ مجمع موجود رہتا ہے میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہنچا۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حسیب آفندی جو کسی زمانے میں بمبئی ٹرکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولس کمشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعے سے

جانتے تھے کہ مجاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہیں کے ذریعے سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا۔ لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھئے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہونچا تو وہ موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازے پر ان کا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں۔ اور تمام راستے رُک گئے میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا۔ اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آپہونچی اور یہ "بادشاہم چوق یشا"[1] کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے یہ نعرے پے درپے تین بار بلند ہوئے۔ گو کہ سلطانی مسجد تک آپہونچا اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی۔ کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہنکر جاسکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھیری مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی مسجد میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیے گئے۔ کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے +

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا۔ عرب نہ تھا اس لئے اس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم دوسرا خطبہ شروع ہوا۔ اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ

---

[1] اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے ۱۲

کرکے پُرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے۔ اللھم انصر ھذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور دیر تک زبان سے دعائیہ الفاظ نکلتے رہے عین اس موقع پر ایک بارگی بیندرہ بیس شخص جن کے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے۔ اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کرکے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے واب اور سکون کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں دریافت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا وہ اس ذریعے سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقے کو بند نہیں کیا جاتا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈتا پھرتا تھا تم کہاں غائب ہوگئے تھے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا۔ لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے۔ تو **سلطان** گیلری سے اُترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہوسکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھیرے۔ افسران فوج اور پاشا صاحب کے داہنی طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھ کو اسی صف میں لاکر کھڑا کردیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر (حسن اخلاق کی وجہ سے) پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے۔ فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں ایوان شاہی

کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازے سے داخل ہوتی تھیں۔ اور دوسرے دروازے سے نکلجاتی تھیں صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے موزون اور باقاعدہ رفتار زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے در پے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شاہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا۔ جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپریل گارد ہے۔ ان کے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑ کر عجیب لطف دکھاتے تھے۔ متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم وبیش دس ہزار فوجیں گزریں۔ اخیر میں سلطان کے دونوں شہزادے آئے اور عجیب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور اُن کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا شہزادے بھی جاچکے تو سلطان زینہ سے اُترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا لیکن از خود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف، دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی ؎

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب وغریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا ع دیدہ من باز و بخواب ہنوز۔ سلطان جس وقت زینے سے اُتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اس وجہ سے میں اچھی طرح اُن کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے

قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرہ۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ باناتٍ کا کوٹ اور معمولی ترکش ٹوپی تھی +

سلامق کی رسم

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصّہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پایہ تخت اور اسکے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے۔ اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں +

یہ تماشا دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا۔ تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے جاتے تھے۔ قلم دکاغذ لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی بڑھکر سامان ہوگا۔ اس کو بھی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اس وقت تک موزوں ہوگئے تھے لکھ کر چھوڑ دئے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے۔

دین کہ رسید کزاں جلوہ گاہ		تا چہ بود حاصل چشم ونگاہ

اس شعر تک

بزم چو از جلوہ زیبا پُر است		دامن چشم ز تماشا پُر است

یہی پُر اثر اور پُر جوش نظارہ مراد ہے +

عید کا جلوس

عید کے دن سلاملق نہ تھی اور اس وجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان وشوکت جاہ وجلال ۔ جوش واثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں

لوگوں کو تعجب تھا کہ اِس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آ رہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں اور اُن کی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زریں پھول۔ دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر۔ سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اٹھا۔ یہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہان آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر اس زور سے **بادشاہم چوق یشا** کا نعرہ بلند ہوتا تھا کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا۔

میں یہ سماں دیکھ کر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے دوسروں کو بھی دکھا سکوں۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کھینچی ہے وہ بالکل ناکمل تصویر ہے۔

مثنوی عیدیہ

جون سنہ ۱۸۹۲ء

مقام قسطنطنیہ

قاصد فرخندہ من ہاں تعال — متعک اللّٰہ بحسن المال

پیش رسیدت سفرے ناگریز — گرم زجا خیز و رہ ہند گیر

زود رو و فکر دو عالم مکن — در نفسے راست کنی۔ ہم مکن

دیدہ براہ اند عزیزان ہند — جملہ گرامے گہرکان ہند

چون تو در آن بزم کشی زمزمہ — دائرہ گردند بگردت ہمہ

تعال

تا ز حدیث تو شود بهره مند
هر یکے از جائے جهد چوں سپند

جمله بدیں حرف که ای نیکخوے
حرفی ازاں یار سفر کرده گوے

تا بچه حال ست و چساں ست وجود
رفت چها بر سرش از نیک و بد

بر روشش دیده وراں میسزید
یا که چو بهمان و فلاں میسزید

آز پس این محنت و رنج شگرف
از سفر روم چه بر داشت طرف

بزم خوشی بود تماشا چه کرد
کار پسے بود از آنها چه کرد

در صف دانش طلبان چوں نشست
زاں چمن تازه بدامن چه بست

طے چو شود مرحله پرس و جوے
از من آواره بیاراں بگوے

کاے همه گنجینه کشایانِ فن
صدر نشیناں سر خوان فن

از کرم داور بالا و پست
حال من آں گونه که بایست هست

هم بهماں طرز و روش میزیم
زنده ام و فارغ و خوش میزیم

گرچه خودم با سر و ساماں نیم
نازکش حاجب و درباں نیم

نیست سر انجمن آرائیے
ایں منم و گوشه تنهائیے

ویکه بپرسید که زاں جلوه گاه
تا چه بود حاصل چشم و نگاه

هیچ چه تواں گفت که ذوق سخن
هر نفسم مے برد از خویشتن

گرچه نخواهم که نشینم خموش
فرصت آں کو که بیایم بهوش

گرچه بعرض سخن آماده ام
مست ز کیفیت ایں باده ام

بگذر ازیں حرف و مکرر مپرس
خواب خوشی دیدم و دیگر مپرس

خوان سخن گر نه خود آراستم
عذر بنه محو تماشاستم

تند مئے بود خرابم هنوز
دیده من باز و بخوابم هنوز

با تو چه گویم که چها دیده ام
شعبده ها پیش نظر چیده ام

بزم چو از جلوه زیبا پر است
دامن چشم از تماشا پر است

مهر چو از جیب افق سر کشید — خاست ز هر ناحیه گلبانگ عید
دیده چو از خواب چو برخاستند — پیر و جوان جمله تن آراستند
طفل که این شیوه نداند درست — مادرش از مهر تن در وی بشست
شیوه نو آیین طرب تازه گشت — کوچه و بازار پر آوازه گشت
مژده رسید این که شه چاره ساز — زود برآید بادای نماز
تا برو از خوان کرم توشه — خلق برون ریخت ز هر گوشه
بسکه عنان طلب انگیختند — طفل و جوان بر سر هم ریختند
پیک نظر راه تماشا نیافت — نقش قدم هم به زمین جا نیافت
جمله بصد شوق و بصد آرزوی — سوی لشکرگاهش نهادند روی
سرمه ز خاک ره شه خواستند — جا بگذرگاه سپه خواستند
از دو سوی راه بکسب شرف — خلق بآیین ادب بست صف
مهر چو در هر جهت افشاند نور — کوکبه شاه عیان شد ز دور
گشت روان از پی هم خیل و فوج — موج تو گویی که شکستی بموج
بود شعار همه از هم جدا — هر همه را رایت و پرچم جدا
پرتو آن اسلحه تابناک — نور همی ریخت بدامان خاک
با همه تمکین چو گذشت این گروه — گشت به یکبار زمین پر شکوه
غلغله برخاست که بادا نوید — مهر جهانتاب خلافت دمید
داغ نه جبهه خورشید و ماه — حضرت خاقان خلافت پناه
قاعده دولت و دین را مدار — آیینه رحمت پروردگار

پیکر لطف وکرم کبریائے	سایہ یزداں شہ کشور کشائے
خسرو لشکر شکن وقلعہ گیر	شاہ فلک عتبہ وگردون سریر
فاتحہ دولت وفتح اے دین	زیب دہ افسر وتاج ونگین
شاہ فلک کوکبہ عبد الحمید	ایدہ اللہ بنصر مؤید
فرہ شاہی ز جبیں آشکار	حاشیہ پوشاں بیمین ویسار
مرکب شہ پیش چو بگذاشت پای	خلق بیکبار در آمد ز جای
طلعت شہ باز چو پرتو فگند	بانگ دعا گشت ز ہر سو بلند
شور بر آمد کہ بود تا جہاں	باد بکام تو زمین وزماں
چرخ بداں مایہ کہ گردندہ است	زندہ بمان کز تو جہاں زندہ است
زیب وطراز ہمہ عالم توئی	سایہ یزداں بجہاں ہم توئی
جملہ بر آنند کہ در غرب وشرق	ہست ترا تاج خلافت بفرق
آن توئی امروز کہ در روزگار	ہست بر دولت ودین راقرار
تازگی حیدر وحسنین از تو ہست	زیب وطراز حرمین از تو ہست
جز تو کہ ہست ای شہ انجم سپاہ	آنکہ بود شرع نبی را پناہ
فرہ دین نبوی از تو ہست	بازوی اسلام قوی از تو ہست
شرع بجاہ تو چو شد ارجمند	باد بفرمان تو چرخ بلند

سکہ اقبال بنام تو باد
ہر چہ بگیتی ست بکام تو باد

ترکوں کے اخلاق وعادات وطرز معاشرت

قسطنطنیہ میں اگرچہ چند مہینے بسر کئے لیکن زبان کی اجنبیت کی وجہ سے

ترکوں سے میرا میل جول بہت کم تھا میرے ہم صحبت اور میرے احباب جس قدر تھے شام کے عرب تھے۔ اِس لئے ترکوں کے اخلاق اور عادات کے متعلق میری واقفیت سرسری اور اجمالی ہے میں نے اکثر کالج و اسکول اور بعض صنعت وغیرہ کے کارخانے دیکھے۔ چند معزز عہدہ دارانِ ملکی سے ملا اور اُن کے یہاں دعوتیں کھائیں۔ قہوہ خانوں میں کبھی کبھی ملاقات ہوگئی۔ ٹراموے اور ریل پر کسی سے تعارف ہوگیا۔ غرض اس قسم کے موقعے تھے جن میں مجھ کو ترکوں سے کے اخلاق اور عادات کا تجربہ ہوا۔ اور اس باب میں میں جو کچھ لکھوں گا انہی واقعات کی بنا پر ہوگا +

ہر چند میری واقفیت کے ذریعے اِس قدر محدود ہیں۔ تاہم بعض امور کی نسبت مجھ کو بالکل یقین ہے کہ اُن کے متعلق میری جو رائے قائم ہوئی ہے وہ قطعًا صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی غلطی کا احتمال نہیں اِن میں سب سے مقدم ترکوں کی مہمان پرستی اور عام خوش اخلاقی ہے۔ کچھ شبہ نہیں۔ کہ ترکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں۔ غرور و نخوت۔ ترفع اور کم بینی ان میں نام کو نہیں ہے۔ امیر و غریب۔ مزدور و عہدہ دار۔ وضیع و شریف۔ جاہل و عالم ہر درجے کے لوگوں سے مجھ کو سابقہ پڑا۔ لیکن خوش اخلاقی اور فیاض طبعی میں گویا سب ایک ہی مکتب کے شاگرد اور ایک ہی سانچے کے ڈھلے تھے۔ غازی عثمان پاشا جن کو پلونا کے واقعے نے تمام دنیا میں روشناس کردیا ہے۔ اور درویش پاشا جن کا پوتا سلطان کی دامادی کا شرف رکھتا ہے۔ اِس مرتبے کے لوگ ہیں جیسے ہندوستان میں گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف۔ میں دونوں سے ملا ہوں اور جس تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اس کا اثر اب تک میرے دل میں ہے +

ترکوں کی مہمان پرستی اور خوش اخلاقی

ایک عام بات یہ ہے۔ کہ بازار میں چلتے چلتے تم جس شخص سے گو وہ کسی رتبے کا آدمی ہو راستہ پوچھو وہ نہایت مہربانی سے تمہاری طرف متوجہ ہوگا۔ اور تم کو راستہ بتائیگا۔ بعض موقعوں پر مجھ کو نہایت تنگ اور پیچدار گلیوں سے گزرنے کا اتفاق

ہوا۔ اور راستہ کے بھول جانے کی وجہ سے دیر تک حیران رہا۔ اتفاقاً کوئی ترک آنکلا تو اُس نے راستہ بتانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ ہو لیا۔ اور جہاں مجھ کو جانا تھا وہاں تک پہنچا کر واپس آیا +

فیاضی و مہمان نوازی

فیاضی اور مہمان نوازی ترکوں کی عام صفت ہے اور نہایت ادنےٰ درجے کے لوگ بھی نہایت سیر چشم اور فیاض ہیں۔ یہ عام طریقہ ہے کہ دو چار چشم آشنا کسی ہوٹل یا قہوہ خانے میں اتفاق سے مل گئے تو قہوہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوگا۔ ایک شخص سب کی طرف سے دیدیگا۔ گویا تمام لوگ اس شخص کے مہمان ہوتے ہیں۔ اور وہ میزبان ہوتا ہے خونگر صوی جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے میں اسکی سیر کو گیا تو خوجی آفندی ساتھ تھے چونکہ یہ مقام قسطنطنیہ سے بیس پچیس میل ہے۔ اور میرے ساتھ اور بھی چند احباب تھے جہاز اور گاڑی کا کرایہ اور تفکہ وغیرہ میں ۵ خرچ ہوئے۔ یہ کل رقم خوجی آفندی نے ادا کی۔ میرے شامی احباب کو جو خود مقتدر اور فیاض طبع تھے۔ آفندی موصوف کا زیر بار احسان ہونا گوارا نہ تھا۔ لیکن ملک کے رواج کی وجہ سے زیادہ اصرار نہ کر سکے +

ایک دفعہ میں درویش پاشا کے مکان پر گیا۔ وہاں چند اور بزرگ تشریف رکھتے تھے سب سے تعارف ہوا۔ اور دیر تک صحبت رہی۔ چونکہ اس وقت تک میں نے ترکی بوٹ کا استعمال نہیں شروع کیا تھا۔ اور انگریزی بوٹ پہنکر مکان کے اندر جانا یہاں معیوب ہے میں نے دروازے ہی پر بوٹ اُتار دیا تھا۔ ترکوں کے نزدیک بوٹ کا پاؤں میں نہ ہونا بدتہذیبی میں داخل ہے۔ اس لئے کسی کو خیال ہوا۔ حاضرین میں سے ایک بزرگ جو اسکول کے ماسٹر اور معزز آدمی تھے چپکے سے اُٹھے اور ایک سلیپر لاکر میرے سامنے رکھدیا۔ ان بزرگ کا نام کاظم آفندی تھا۔ نوجوان آدمی ہیں ریاضی میں ان کی تصنیف حضور سلطانی میں پیش ہو چکی ہے۔ رخصت ہوتے وقت مجھ سے فرمایا کہ ہندوستان پہونچکر یاد رکھئے گا۔ کہ قسطنطنیہ میں کاظم بھی آپ کا ایک نیاز مند تھا۔

حسین حسیب آفندی جو پولس کمشنر اور معزز رتبے کے آدمی ہیں بلا قات کے ساتھ اس لطف و مہربانی سے پیش آئے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اصرار کرکے کھانا کھلایا۔ کوٹھی اور پائیں باغ کی سیر کرائی۔ پردہ کراکر زنانہ مکان کے تمام کمرے دکھائے۔ رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ مجھ کو بھی کچہری جانا ہے ساتھ ہی چلیں گے۔ چنانچہ اپنی گاڑی پر بٹھا کر دور تک ساتھ لائے۔ لطف یہ کہ اس وقت میرا ذریعہ تعارف بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور مسلمان ہوں۔ اس قسم کے واقعات سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ ترکوں کے اخلاق نہایت عام ہیں اور اسکے لئے وسیلہ و تعارف عزت و جاہ کی سفارش کی کچھ ضرورت نہیں۔

ترکوں کی معاشرت

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے۔ امراء اور معزز عہدہ دار ایک طرف معمولی حیثیت کا آدمی بھی حسن صفائی اور خوش سلیقگی سے بسر کرتا ہے ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں میں نے دس ہزار کے تنخواہ دار سے لیکر بیس روپیہ کی آمدنی والوں تک کے مکانات دیکھے ہیں اگرچہ دونوں کی حالتوں میں نہایت تفاوت تھا اور ہونا چاہیے تھا تاہم خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر تھے۔

ڈرائینگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے:۔ کہ دیوار سے متصل قریباً دو ہاتھ چوڑے اور دیوار کے طول کے برابر لمبے چبوترے بنے ہوتے ہیں۔ اور ان پر گدا بچھا ہوتا ہے۔ اب اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں علما اور درویشوں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے ایک آدھ کمرہ اس طریقہ پر بھی ضرور مرتب رہتا ہے۔ میں نے عثمان پاشا اور درویش پاشا کے عالیشان مکانوں میں بھی اس وضع کے متعدد کمرے دیکھے۔ زمانہ حال میں یورپین طریقہ زیادہ مروج ہے ترکوں نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ درحقیقت قابل تعریف

مکانات کی وضع اور ترتیب

اصلاحیں ہیں ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ ٹرکش قالین سے آراستہ ہوتا ہے۔ اس سرے سے اُس سرے تک ٹرک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں۔ کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں۔ اسی پر سے گذرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ ترکوں کا بوٹ اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس طریقے سے فرش اور بھی صاف و پاک رہتا ہے +

کھانے کا طریقہ

کھانا یورپین طریقے پر یعنی میز کرسی پر کھاتے ہیں۔ البتہ بعض باتوں میں فرق ہے اور میری دانست میں وہ اصلاح طلب ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو نوکر آکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اس کے بعد باری باری مختلف کھانوں کی رکابیاں آتی ہیں۔ اور میز کے بیچ میں رکھی جاتی ہیں۔ تمام لوگ ایک ہی رکابی میں کھاتے ہیں۔ چھری کانٹا بھی ہوتا ہے لیکن (اکثر) کھاتے ہاتھ سے ہیں۔ میں نے حسین حسیب آفندی پولس کمشنر اور درویش پاشا کے یہاں کھانا کھایا درویش پاشا کے بیٹے احمد پاشا جو سلطان المعظم کے سمدھی ہیں۔ میز پر ہمارے ساتھ تھے اور اسی طریقے سے کھاتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اب یہ طریقہ متروک ہوتا جاتا ہے اور حال کے تعلیم یافتہ بالکل یورپین طریقے پر کھاتے ہیں +

مکانات کے دروازوں کا ہمیشہ بند رہنا

ہندوستان کے برخلاف عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اندر ایک کھٹکا ہوتا ہے جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی سے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ آواز سن کر نوکر یا صاحب خانہ کواڑ کھول دیتا ہے۔ اُمرا کے یہاں دروازہ کے بیرونی رخ پر پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے۔ اسکے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے۔ اور نوکر کو خبر ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ نہایت عام ہے یہاں تک کہ غریب غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے۔ اگرچہ دراصل سردی سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے

لیکن اس سے طرز معاشرت میں خود بخود نہایت تہذیب اصلاح پیدا ہو گئی ہے۔ ہر شخص لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتٰی تستانسوا۔ کی تعمیل پر مجبور ہے +

ترکوں کا لباس جیسا کہیں اوپر لکھ آیا ہوں بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے اور وہ واقع میں قابل تعریف ہے۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور سلیپر کا مجموعہ ہے جراب بالکل بوٹ کی شکل کی ہوتی ہے لیکن ایڑی نہیں ہوتی سلیپر میں اندر ایڑی کے پاس ایک کھٹکا لگا ہوتا ہے۔ جراب پہنکر جب اسکو پہنتے ہیں تو جراب اس میں اٹک جاتی ہے اور دونوں ملکر خاصہ بوٹ بن جاتا ہے سبازاریں دونوں پہنے پھرتے ہیں لیکن فرش پر سلیپر اتار دیتے ہیں صرف جراب رہجاتی ہے اور چونکہ وہ گرد سے پاک ہوتی ہے۔ فرش پر دھبہ تک نہیں پڑتا +

طریقہ ملاقات

ملاقات کا طریقہ نہایت مہذب اور پسندیدہ ہے۔ تم کسی سے ملنے جاؤ اور دروازہ کھٹکھٹاؤ تو اسی وقت نوکر آکر دروازہ کھولدیگا۔ مکان میں اسی غرض سے ایک خاص کمرہ فرش فروش سے آراستہ۔ نوکر تم کو وہاں بیٹھا دیگا اور قہوہ یا چائے پیش کرے گا۔ اس کے بعد صاحب خانہ کو اطلاع ہوگی وہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھے گا اور تم کو وہیں بلائیگا۔ بڑے بڑے معزز افسروں کی ملاقات کا یہی طریقہ ہے۔ انگریزوں کی طرح احاطے کے باہر برانڈے میں ٹھہلنا اور دیر تک انتظار کرنا نہیں پڑتا +

سلام کرنے کا عجب طریقہ ہے۔ پہلے سینہ پر۔ پھر ہونٹوں پر۔ پھر پیشانی پر ہاتھ رکھتے ان اعضا کا ہاتھ سے چھو لینا ضرور نہیں صرف محاذات کافی ہے۔ اگرچہ اس طریقہ پر سلام کرنے میں ہاتھ کو تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن مشاقی کی وجہ سے تینوں مرحلے اس جلدی سے طے ہوتے ہیں کہ معمولی سلام سے زیادہ عرصہ نہیں لگتا۔ اس ایجاد میں یہ فائدہ ہے کہ قد کو جھکانا نہیں پڑتا۔ اور پیشانی تعظیم و ادب بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔ مجلس میں سلام کرنے کا جو طریقہ ہے وہ زیادہ تکلف آمیز ہے یعنی بیٹھ جانے کے بعد حاضرین میں سے ہر شخص کی طرف

الگ الگ مخاطب ہو کر سلام کرنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا لکھنؤ میں دستور ہے معلوم نہیں ترک جیسے سپاہیوں کو یہ لکھنوانہ تکلف کس نے سکھایا +

فضول شان و شوکت کا نہ ہونا

ترکوں کی معاشرت میں مجھ کو جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی کے فضول شان و شوکت کا نام نہیں۔ بڑے بڑے وزرا۔ امرا بازار میں نکلتے ہیں تو معمولی حیثیت سے نکلتے ہیں۔ میں نے بارہا وزیر اعظم کی سواری دیکھی ہے۔ صرف دو تین سوار ساتھ ہوتے ہیں۔ سپہ سالار کل علی رضا پاشا کے ساتھ پانچ سوار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مکانات اور تمام معاشرت کی چیزوں میں بھی سادگی پائی جاتی ہے۔ عثمان پاشا۔ درویش پاشا۔ زکی پاشا۔ جس حیثیت اور رتبہ کے لوگ ہیں اس لحاظ سے اُنکے مکانات کو کم از کم حیدرآباد کا فلک نما اور بشیر باغ ہونا چاہیے تھا لیکن وہ ہمارے مولوی مہدی علی صاحب کی کوٹھی کے برابر بھی نہیں۔ نوکر چاکر بھی کثرت سے نہیں ہوتے۔ جیسا ہمارے ہاں کے نواب اور فرضی شاہزادوں کے ہاں دستور ہے حق یہ ہے کہ ترک اس بات پر جہاں تک فخر کریں بجا ہے کہ انہوں نے چھ سو برس تک سلطنت کے سایہ میں پلکر سپاہیانہ پن نہیں چھوڑا۔ ورنہ عباسی۔ فاطمی۔ اموی (اندلس والے) تیموری تو۔ سو ہی دو سو برس میں۔ اچھے خاصے رنگیلے بن گئے تھے +

عورتوں کی تعلیم و تربیت

ترکوں کی تہذیب و ترقی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے وہ عورتوں کی تعلیم و تربیت و طریقہ معاشرت ہے۔ دنیا کی دو بڑی قومیں یعنی یورپ اور ایشیا اس مسئلہ میں افراط اور تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں اور اس وجہ سے دونوں کی حالت قابل اعتراض ہے۔ ترکوں نے ایسا معتدل طریقہ اختیار کیا ہے جو دونوں کی خوبیوں کا جامع اور دونوں کے عیوب سے خالی ہے۔ ٹرکش عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن بے شرمی۔ شوخی۔ بیجا آزادی رقاصی کی (اور وہ بھی غیر مردوں کے ساتھ) ان کو تعلیم نہیں ہوئی ہے وہ پردے کی پابند ہیں لیکن جاہل۔ دنیا سے بے خبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوان انسان نما نہیں ہیں +

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سرکاری اور خانگی مدرسے کثرت سے ہیں اور پردہ و حفاظت کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شرفا کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ علمی مضامین کے ساتھ فرنچ زبان بھی درس میں داخل ہے اور بعض بعض مدرسوں میں موسیقی کی تعلیم بھی ہوتی ہے معلمات کی تعلیم کے لئے ایک خاص مدرسہ ہے جسکی مہتمم رفیقہ خانم ہے یہ اعلےٰ درجے کی تعلیم یافتہ خاتون ہے اور سلطان کے حضور سے اُسکو درجے دوم کا تمغہ عنایت ہوا ہے۔ صنعتی مدارس میں ایک مدرسہ نہایت اعلےٰ درجے کا ہے جو کالج کہا جاسکتا ہے اُسکا مہتمم عزیز آفندی ہے۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہے جسکی مہتمم ایک فرنچ لیڈی مادام ہالی ہے بورڈنگ کا سکرٹری ایک تعلیم یافتہ ترک ہے۔ جسکا نام حسن آفندی ہے۔ صنعت کا ایک اور بڑا مدرسہ اسکیدار میں ہے جسکی معلمۂ اوّل خیریہ خانم ہے۔

ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بمشکل ایسی عورت مل سکتی ہے جس نے مناسب درجے تک تعلیم نہ پائی ہو۔ بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں۔ اور مشہور اخبارات میں اُنکے آرٹیکل نکلتے رہتے ہیں۔ جودت پاشا کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور مصنف ہے حال میں اسکی ایک نہایت عمدہ ناول شائع ہوئی ہے۔ جسکا نام زنانِ اسلام ہے عربی زبان میں اسکا ترجمہ بھی ہوگیا ہے اور بیروت میں چھاپا گیا ہے۔ اور بھی چند عورتیں ہیں۔

مصنف عورتیں

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے۔ ہر درجے اور ہر رتبے کی عورتیں بازار میں نکلتی ہیں سیرگاہوں کو جاتی ہیں۔ دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے سرمو تجاوز نہیں ہوتا۔ ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے الگ رہتی ہے اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کرسکتی۔

عورتوں کو باہر نکلنے میں آزادی حاصل ہے

لباس بالکل یورپین ہے لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی گون پہن لیتی ہیں۔ جو گردن سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے اور اوپر سے نیچے تک بٹن لگے ہوتے ہیں اس سے بجز چہرے کے اور تمام جسم اسطرح ڈھک جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی۔ سر پر قصابہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپاتی ہیں جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے۔ دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے۔ یہ رومال باریک ململ کے ہوتے ہیں کوئی شخص پاس سے آنکھ جما کر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسی بیہودہ جرأت کون کرسکتا ہے*

عورتوں کا لباس

سلہ اب یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہوکر محمڈن پریس علی گڈھ میں زیر طبع ہے ۱۲

ایک دفعہ میں عاشر آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے جن سے میری جان پہچان ہوگئی تھی۔ اتفاق سے وہیں اُنکی دو نوجوان لڑکیاں جنمیں سے ایک کی شادی ہوچکی تھی اُن سے ملنے کے لئے آئیں۔ اُنہوں نے مجکو دونوں سے بنظر دوس کرایا جس احترام۔ اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں مجکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیبیاں ہیں

قسطنطنیہ میں ہندوستانی

ہندوستان میں کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ قسطنطنیہ میں ہندوستانی حضرات بھی تشریف رکھتے ہیں۔ خود مجکو یہ گمان نہ تھا۔

ہندوستانیوں کا اصلی مرکز تو ہندی زاویہ ہے جس کا ذکر میں اوپر کرچکا ہوں۔ وہاں اکثر ہندوستانی آنکلتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً گداپیشہ ہوتے ہیں۔ ان کے سوا تین چار شخص ہیں جو مستقل طور پر سکونت رکھتے ہیں اور اُنکی حالت اور حیثیت بھی بُری نہیں اُنکے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں +

نصرت علیخان۔ یہ بزرگ اپنے تئیں دلّی کا کہتے ہیں۔ اُنہوں نے قسطنطنیہ میں ایک اخبار بھی نکالا تھا۔ لیکن چونکہ اسکے مضامین انگریزی حکومت کے خلاف ہوتے تھے انگلش سفیر نے بازپرس کی اور اخبار بند ہوگیا۔ اب محکمۂ تعلیم میں نوکر ہیں۔ ڈیڑھ سو ماہوار تنخواہ ہے۔ ایک ترکی عورت سے شادی کرلی ہے۔ اس سے دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ خود سیاہ فام ہیں۔ لیکن لڑکیاں گوری چٹی ہیں +

مرزا محمد بیگ۔ یہ بزرگ ملک اودھ کے رہنے والے ہیں۔ شاہی فوج میں معزز عہدہ پر مامور تھے۔ غدر سے پہلے مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اب دس بندرہ برس سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ سلطان نے ڈیڑھ سو ماہوار وظیفہ مقرر کردیا ہے۔ خوش اخلاق

اور شریف الطبع آدمی ہیں +

حسن آفندی - بدرالدین طیب جی بیرسٹرایٹ لا ساکن بمبئی کے عموزاد بھائی ہیں - ہندوستانی اشیا کی تجارت کرتے ہیں - پہلے انکا کارخانہ بڑے فروغ پر تھا - چنانچہ اور مصارف کے علاوہ آٹھ سو ماہوار صرف دوکان کا کرایہ تھا - لیکن اب فیشن کے بدلجانے سے ان چیزوں کی قدر نہیں رہی اور کارخانہ سست ہوگیا - تاہم خوش حال سے بسر کرتے ہیں - مکان اور فرنیچر قسطنطنیہ کے لحاظ سے امیرانہ ہے - ایک باغ بھی تیار کرایا ہے - تمام لوگ اُنکی عزت کرتے ہیں - سلطان کے یہاں سے مڈل بھی ملا ہے انگریزی بخوبی جانتے ہیں - نہایت خوش اخلاق - فیاض - روشنضمیر - نیک طبع آدمی ہیں - ہندوستانیوں سے انکو عجیب انس اور محبت ہے - اور یہ حب الوطنی ہی میری اور انکی تعارف کا ذریعہ ہوئی - ایکدفعہ میں بازار میں پھر رہا تھا - آفندی موصوف سامنے سے گزرے - مجھ کو دیکھ کر بے اختیار بڑھ کر پوچھا "آپ ہندوستانی تو نہیں" - اس وقت میرا لباس عربی تھا - طرہ یہ کہ جواب میں اتفاقاً زبان سے بجائے ہاں کے نعم کا لفظ نکلا تاہم میرا ہندی ہونا کیونکر چھپ سکتا تھا وہ گلے سے لپٹ گئے اور بولے کہ "آپ تو ہماری چیز ہیں ہم سے بچکر کہاں چلے تھے" - میں جب تک وہاں رہا اکثر میرے مکان پر تشریف لاتے تھے کئی دفعہ دعوت کی اور اپنے گھر لے گئے معلوم نہیں یہ مہمان نوازی انکی طینت کا خمیر ہے یا قسطنطنیہ کی آب و ہوا کا خاصہ ہے اُنکا پتہ یہ ہے قسطنطنیہ - مجوہر بدستانہ - حاجی حسن علی آفندی ہندی -

میں نے پتہ اس غرض سے لکھا ہے کہ کوئی صاحب قسطنطنیہ کا قصد کریں تو انسے ضرور ملیں - ان سے بڑھ کر کوئی غمخوار نہیں ملسکتا ہے -

قسطنطنیہ کے احباب

نہایت ناشکری ہوگی اگر میں قسطنطنیہ کی پر لطف داستان ختم کروں اور ان محبت کیش دوستوں کا نام نہ لوں جو اس چند روزہ اقامت میں میرے یار غمگسار بن گئے تھے۔ اور جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہتے تھے چنانچہ شیخ عبدالفتاح اور شیخ علی ظبیان کے سوا جنکا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ باقی دوستوں کے نام اور مختصر حالات لکھتا ہوں

فواد بک

فواد بک۔ مکتب ملکیہ کے ایک ممتاز طالب علم ہیں دمشق کے قریب حصایہ ایک موضع ہے جہاں حضرت خالد بن الولید کی نسل سے ایک خاندان آباد ہے۔ یہ لوگ دولتمند ہیں اور اسکے ساتھ ملکی اثر رکھتے ہیں چنانچہ ٹرکی حکومت کیطرف سے ابتک ان اضلاع کا جو حاکم مقرر ہوتا تھا اسی خاندان سے انتخاب کیا جاتا تھا۔ فواد سے میری ملاقات عزیزانہ تعلق کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ انکے ایک بھائی سامی بک انہیں دنوں قسطنطنیہ آئے اور میں نے جو مکان کرایہ پر لیا تھا۔ اسی کے ایک کمرے میں فروکش ہوئے۔ وہ مکتب الحقوق میں داخل ہونے کی تیاری کرتے تھے اور چونکہ امتحان داخلہ میں منطق کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ مجھ سے درخواست کی کہ میں مختصر طور پر ان کو منطق کے تمام مسائل پر عبور کرا دوں اگرچہ میرا حرج اوقات تھا تاہم انکی خاطر سے میں نے انکو اور انکے ساتھ دو تین اور طالبعلموں کو ایسا غوجی پڑھائی حسن اتفاق یہ کہ امتحان داخلے میں وہ لوگ پاس بھی ہو گئے اسطرح دوستی اور محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا شام کو ہمیشہ ہم تین چار آدمی ایک قہوہ خانے میں جو عین لب دریا ہے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور عجب لطف و مزے کی صحبت رہتی تھی کبھی کبھی مغرب کے بعد کشتی کرایہ کرتے اور سمندر کی سیر کرتے پھرتے فواد کو گانا آتا ہے مزے میں آکر عربی گیت گایا کرتے ایک دن مجھ سے فرمائش کی کہ کوئی ہندی چیز سناؤ میں نے بہتیرا کہا کہ بھائی میں مولوی آدمی ہوں۔ مجھ کو گانے سے کیا واسطہ" لیکن وہ کب مانتے تھے آخر مجبور ہو کر میں نے اردو کے دو تین شعر آواز کو گھٹا بڑھا کر پڑھے

اور کہا کہ ہندی میں یوں ہی گاتے ہیں:-

عبدالسلام آفندی

عبدالسلام آفندی - بیت المقدس میں سادات کا ایک مشہور خاندان ہے یہ اُسکے ایک معزز ممبر ہیں بیت المقدس کے مفتی جنکا ذکر آگے آئیگا اسی خاندان سے ہیں یہ پہلے جنٹ مجسٹریٹ تھے کسی وجہ سے معزول ہو گئے - اور اسی فکر میں یہاں آئے ہیں نہایت لائق فائق تعلیم یافتہ اور زندہ دل آدمی ہیں - ایک مدت تک میں اور یہ ایک ہی مکان میں رہے اور اسوجہ سے زیادہ میل جول ہو گیا - اکثر علمی بحثیں کیا کرتے تھے - فلسفۂ حال سے واقف اور اُسکے معترف ہیں - اُنکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا کوئی مسئلہ فلسفۂ حال سے مخالف نہیں اکثر اسی امر کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے - میں اُن کی مسافرنوازی اور اسلامی ہمدردی کا از بس ممنون ہوں ایک مشکل موقع پر اُنہوں نے میرے ساتھ جو تعجب انگیز ہمدردی کی اُسکا ذکر مناسب موقع پر ہوگا۔

خواجہ آفندی

خواجہ آفندی معزز آدمی ہیں - درویش پاشا کی بھتیجی ان سے بیاہی ہے اور پاشائے موصوف انکو نہایت عزیز رکھتے ہیں - اُنہیں کے مکان میں یہ رہتے بھی ہیں - میں چند بار ان سے ملا - فارسی بے تکلف بول لیتے ہیں - نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج آدمی ہیں - ہمیشہ چائے اپنے ہاتھ سے بنا کر پلاتے تھے - ایک بار میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے - خونگرھوی کی سیر مجھکو انہیں نے کرائی تھی +

ملا محمد آفندی

ملا محمد آفندی - موصل کے رہنے والے ہیں - عربی بقدر ضرورت پڑھی ہے - فارسی اچھی طرح بول سکتے ہیں - انکی معاش کا کوئی ذریعہ نہیں مجبورانہ ایک تکیہ میں رہتے ہیں - اور فقر و فاقہ سے بسر کرتے ہیں - بایں ہمہ نہایت باحمیت اور غیر تمند ہیں - میں نے جب ترکی سیکھنے کا ارادہ کیا تو ایک دوست نے انکا نام لیا اسوقت تک مجھکو ان سے بالکل تعارف نہ تھا اسلئے میں نے عـ۵ ماہوار پر انکو مقرر کرنا چاہا - یہ رقم اُن کے لئے عطیہ غیبی تھی - لیکن جب اُن کو معلوم ہوا کہ میں صرف تحقیقات علمی کے لئے یہاں آیا ہوں - تو معاوضہ لینے سے انکار کیا - اور مفت پڑھاتے رہے - اکثر میری قیامگاہ پر آکر پڑھایا کرتے تھے

ٹوٹی پھوٹی ترکی جو میں نے سیکھی انہیں سے سیکھی۔ افسوس ہے کہ اب وہ بھی محفوظ نہیں رہی۔
ان دوستوں کے سوا اور بہت سے چشم آشنا احباب پیدا ہو گئے تھے جنکا ذکر چنداں ضروری نہیں۔

غازی عثمان پاشا کی ملاقات اور تمغہ مجیدی کا عطا ہونا

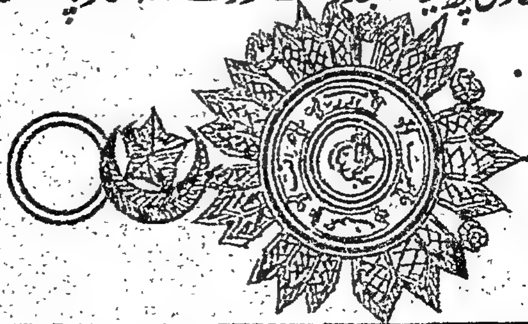
یہ وہی نامور جنرل ہے جس نے پلونا میں چوبیس ہزار روسی مجروح اور آٹھ ہزار تہ تیغ کئے تھے جنکے مقابلے میں شہنشاہ روس نے اپنی کل فوجی قوت صرف کر دی تھی۔ اور خود سپہ سالار بنکر گیا تھا جس نے باوجود فوج کی کمی اور رسد کی قلت کے روس کی مجموعی طاقت کا مدت تک مقابلہ کیا۔ اور میدان جنگ میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا تو خود شہنشاہ روس نے اس کی کمر میں تلوار باندھی۔ اور مہینوں تک اپنا مہمان رکھا یہ واقعات اُسی زمانہ میں اخبارات کے ذریعے سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گئے تھے اور بچہ بچہ اس نامور بہادر کے نام سے واقف ہو گیا تھا قسطنطنیہ میں اگرچہ میں کسی فوجی افسر سے نہیں ملا اور نہ ملنا چاہا لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے نادرۂ روزگار کے دیکھنے کا شوق دل میں نہ ہوتا۔

پاشائے موصوف اگرچہ اس رتبہ کے آدمی ہیں کہ ترکی میں کوئی شخص اُن سے بڑھکر بلکہ اُنکی برابر بھی نہیں۔ اور اس لحاظ سے مجکو اُن تک رسائی کی کم امید ہو سکتی تھی۔ تاہم شوق کی بیتابی نے نہ مانا اور میں ایک مترجم کو ساتھ لیکر اُن کے مکان پر گیا گھنٹی بجانے پر دروازہ کھلا۔ دربان نے اندر جانے کی اجازت دی قاعدہ کے موافق ملاقاتیوں کے کمرہ میں جا کر بیٹھا ایک معزز ترک وہاں تشریف رکھتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور مزاج پرسی کے بعد قہوہ منگوایا۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی۔ پاشا نے جو مصروف نماز تھے۔ کہلا بھیجا کہ ذرا دیر میں آتا ہوں۔ قریباً دس منٹ کے بعد ایک ملازم آیا اور مجکو بالاخانہ پر لے گیا ایک خوبصورت کمرہ آراستہ تھا ہم وہاں بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پاشائے موصوف تشریف لائے جن صاحب کو میں نے مترجمی کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ سررشتہ تعلیم کے

افسر تھے انھوں نے حسب قاعدہ آگے بڑھ کر پاشائے موصوف کے دامن کا کنارہ چوما اور مؤدبانہ طور سے پیچھے ہٹے۔ میں نے طریقۂ سنت کے موافق سلام کیا۔ پاشائے موصوف نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مزاج پرسی کے بعد نام اور مقام پوچھا مترجم نے کہا کہ "ہندوستان کے علما میں سے ہیں اور تحقیقات علمی کی غرض سے آئے ہیں" یہ سنکر نہایت مہربانی اور توجہ ظاہر کی اور دیر تک مسلمانوں کے حالات پوچھتے رہے رخصت ہو کر میں اٹھا تو خود بھی اٹھے اور کہا کہ آپ دوبارہ تشریف لائیں۔ تو مجھ کو خوشی ہوگی۔ پاشائے موصوف پست قامت ہیں۔ دُہرا بدن ہے۔ رنگ گورا اور چمکتا ہوا ہے چہرے سے ہیبت اور شجاعت ٹپکتی ہے۔ عمر ۶۰-۷۰ کے بیچ میں ہے لیکن بڑھاپے کا مطلق اثر نہیں ہے۔ فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں اور چونکہ ایک مدت تک سلین کے گورنر رہ چکے ہیں۔ عربی میں بے تکلف بات چیت کر سکتے ہیں۔ پلونا کے واقعہ کے بعد سلطان نے انکو کمانڈر انچیف اور صیغہ جنگ کا وزیر کر دیا تھا لیکن چونکہ اس عہدہ کی وجہ سے وہ سلطان کی خدمت میں ہمیشہ حاضر نہیں رہ سکتے تھے۔ سلطان نے اس عہدہ پر فواد پاشا کو مقرر کر دیا اور انکو مابین کی افسری دی جسکی وجہ سے وہ زیادہ تر سلطان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ سلطان کو پاشائے موصوف سے زیادہ کسی عزیز و قریب یا نوکر اور عہدہ دار پر اعتماد نہیں ہے اور اسی وجہ سے انکو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے۔ جمعہ و عید کو جب سلطان مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو اُن کے ساتھ گاڑی میں عثمان پاشا کے سوا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

دوسری دفعہ میں ملاقات کو گیا تو پہلے سے کمرے میں آ بیٹھے۔ میں اندر داخل ہوا تو کرسی سے اُٹھ کر دو ایک قدم بڑھے اور پہلے دن کی طرح ہاتھ ملایا۔ اسکے بعد میں جب ان سے ملا تو اسی طریقے سے ملے۔ پاشائے موصوف مجھ پر نہایت مہربان ہو گئے تھے جب میری روانگی کا زمانہ قریب آیا اور میں نے ان سے کہا کہ اب میں یہاں دو چار دن کا مہمان ہوں۔ تو فرمایا کہ ایک دو دن جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔ اسی اثنا میں انہوں نے سلطان سے

میرے لئے تمغہ مجیدی عطا ہونے کی درخواست کی اور منظور ہو گئی۔ لیکن مجھ کو اسکی کچھ اطلاع نہ تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں اپنے مکان میں سو رہا تھا کہ میرے ایک دوست دوڑے ہوئے آئے اور جگا کر کہا کہ یا شبلی واللہ لقد طلع لک النیشان مجھ کو ایک گونہ تعجب ہوا اور میں نے کہا کہ یوں ہی کہتے ہو۔ آخر تمکو معلوم کیونکر ہوا؟ بولے کہ تمام اخبارات میں چھپ گیا ہے۔ میں اسی وقت اٹھا اور ایک قرات خانے میں جاکر اخبار دیکھے تو واقعی وہ خبر صحیح تھی۔ اسی وقت مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میں انگریزی رعیت ہوں اس لحاظ سے انگلش سفیر کو اس کی اطلاع دینی ضرور ہے۔ دوسرے دن میں سفیر کے پاس گیا۔ اتفاق سے وہ مکان پر نہ تھے میں اپنا کارڈ چھوڑ آیا دوسرے دن تمام احباب مبارکباد کو آئے میں نے ایک مختصر جلسۂ دعوت ترتیب دیا شیخ علی ظبیان۔ عبدالسلام آفندی۔ فواد سامی شریف۔ اور دیگر احباب شریک جلسہ تھے دعوت کی صبح کو عثمان پاشا کی وداعی ملاقات کو گیا۔ تمغہ کی خبر ایسی عام ہو گئی تھی کہ پاشائے موصوف کے مکان پر پہنچا تو سب سے پہلے دربان نے کہا "تمغۂ مجیدی مبارک"۔ مجکو تعجب ہوا کہ اسکو کیونکر خبر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں امرا اور پاشاؤں کے نوکر چاکر عموماً پڑھے لکھے ہوتے ہیں اور فرصت کے اوقات میں اخبارات پڑھا کرتے ہیں۔ پاشائے موصوف نے ملاقات کے ساتھ تمغہ کی مبارکباد دی **تمغہ** سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ بکس سے نکالکر پہلے انہوں نے آنکھوں سے لگایا (سلطان کی ادنٰے سے ادنٰے چیز کی بھی ترک لوگ اس حد تک تعظیم کرتے ہیں) پھر مجکو حوالے کیا۔ میں سر و قد کھڑا ہو گیا اور سلطان کو دعا دی کچھ دیر کے بعد رخصت کے ارادے سے اٹھا تو پاشائے موصوف نے فرمایا ذرا دیر اور تشریف رکھئے۔ یہ کہکر دوبارہ قہوہ منگوایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اخیر میں



فرمایا کہ میں آپ کی تشریف آوری کا مشکور ہوں۔ چلتے چلتے کہا۔ کہ ہندوستان پہنچکر تمام مسلمانوں اور بالخصوص علما اور فضلا کی خدمت میں میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ عثمان آپ لوگوں سے دلی محبت رکھتا ہے۔ میں نے نہایت خلوص اور جوش کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ پاشائے موصوف نے مجھکو اپنی عکسی تصویر عنایت کی۔ اور اُس پر دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اشبو فوطغرافم شبلی النعمانی آفندی یہ ہدیۃ المشیر محرم الحرام سنہ ۱۳۱۰ ہجری۔ یعنی میں نے اپنا یہ فوٹوغراف شبلی نعمانی کو ہدیہ دیا۔ یہ تصویر اس وقت میرے پاس موجود ہے اور میں اسکو ایک بڑا تبرک اور نشان فخر سمجھتا ہوں۔ جو میرے خاندان اور میری نسل میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ تمغہ کے ساتھ جو فرمان عطا ہوا۔ اس کی نقل ذیل میں ہے۔

عثمان پاشا کا فوٹو

نقل فرمان بخط فارسی

ہندوستان نن علی گڈھ نام محلندہ کائن دار العلمین معلم اولی شبلی النعمانی آفندی نن شایان تلطفات سینۂ شاہانہ م اولدیغنہ بناءً اشرف اقرای سنوح وصدور اولان امرو فرمان معالی عنوان بادشاہانہ م موجب عالیسی اورزہ کندوسنہ مجیدی نشان ذلیشانک دردنجی رتبہ سندن برقطعہ سی عنایت و احسان قلنمش اولدیغی متضمن اشبوبرات عالیشانم تصدیر اولنمشدر حرر فی الیوم الرابع عشر من شہر محرم الحرام سنہ عشر وثلث مائۃ

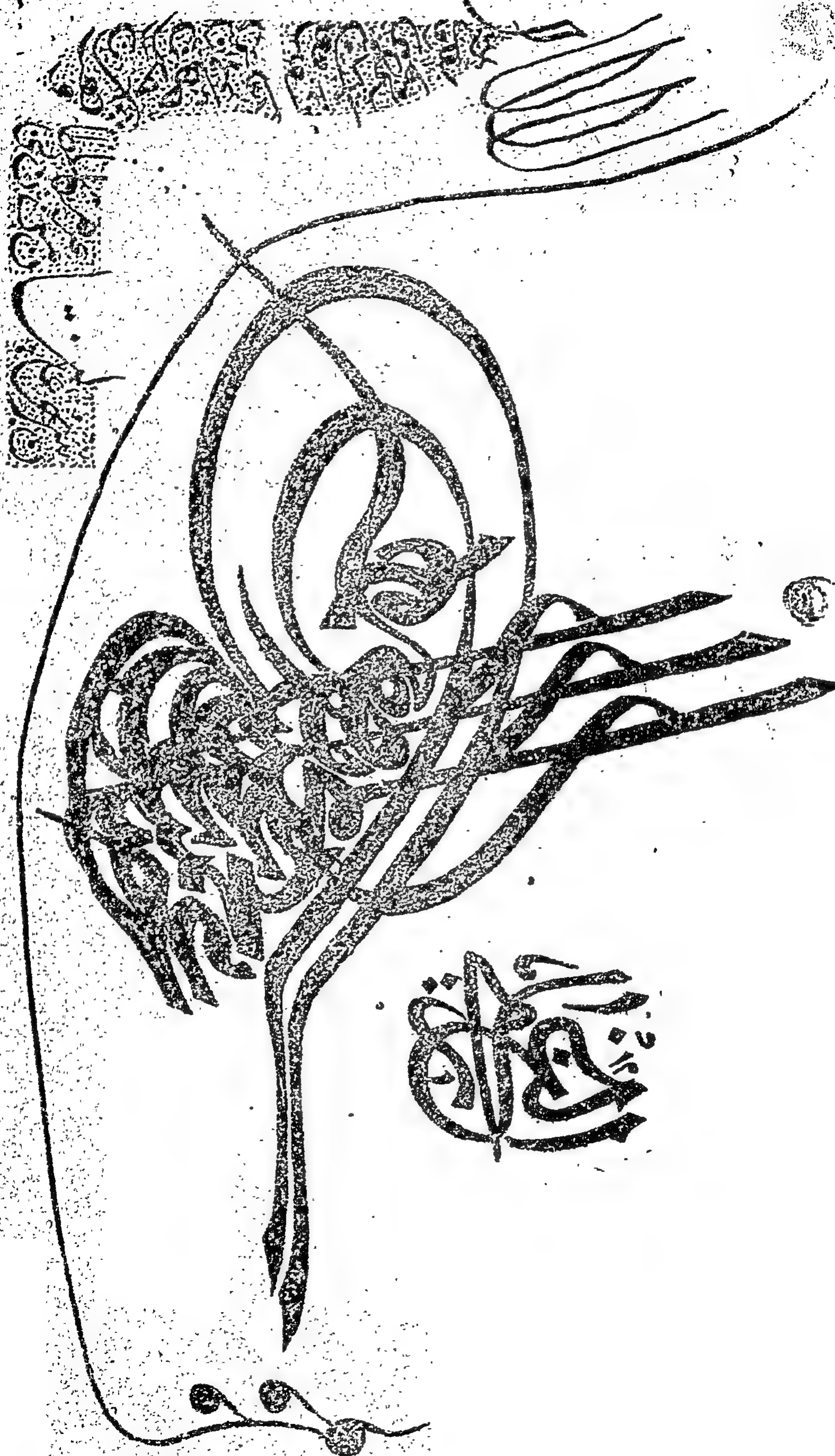
ترجمہ

شبلی النعمانی آفندی جو دار العلمین علی گڈھ واقع ہندوستان کا معلم اول ہے چونکہ شاہانہ تلطفات کا مستحق خیال کیا گیا۔ اس لئے اسکو تمغہ مجیدی درجہ چہارم کے عطا ہونیکے لئے حکم واالاصدار ہوا۔ اور اسکی سند کے یہ فرمان عالیشان صادر ہوا۔ تحریر ۱۴ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۰ھ

یہ عجیب اتفاق کہ میں نے تمغہ کو قسطنطنیہ۔ بیروت۔ مصر کسی مقام میں کبھی استعمال نہیں کیا۔ ہندوستان میں پہنچکر خیال ہوا کہ گورنمنٹ سے اجازت حاصل کر کے استعمال کروں چنانچہ جناب ہرلسن صاحب مجسٹریٹ علی گڈھ نے باضابطہ چٹھی کے ذریعے سے گورنمنٹ میں سفارش کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ رزولیوشن مورخہ ۱۰ مئی سنہ ۱۸۸۶ عیسوی ملاحظہ طلب ہے اس رزولیوشن کا ماحصل یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کی کوئی رعیت کسی دوسری سلطنت کا کوئی نشان یا تمغہ استعمال یا قبول نہیں کر سکتی تا آنکہ پہلے جناب ملکہ معظمہ سے اجازت نہ حاصل کیجائے۔ میں اس حکم کی تعمیل کے موافق میں تمغہ کو استعمال نہیں کرتا۔

قسطنطنیہ سے روانگی ۲۶ محرم سنہ ۱۳۰۹ھ

قسطنطنیہ میں میں پورے تین مہینے مقیم رہا۔ اخیر اخیر طبیعت اچاٹ ہو چلی تھی۔ یہاں تک



چون شانده كنده باغ محلنده كائنه واراضى معلوم اولان شيخ وقفى دفترينه ثبت اولنان خصوص سنيه زى

بنا و فرامين ورود وردو زمره و فرمان ساعت حال ياوى ثم موجب حاليا لى وزيره ... محبر

ان وقفنامه ورقه ... رقعه ... عبنه واحد ... فى الامر ... عمل

للمسئول ... الشرى حرفى ... اليوم ... عشر من محرم الحرام ... عشر وثمانه



کہ میں سلطان کے جشن تخت نشینی کا بھی انتظار نہ کر سکا۔ قسطنطنیہ میں ہر سال صفر کی آٹھویں رات جو سلطان کی تخت نشینی کی رات ہے۔ بڑی دھوم دھام سے جشن ہوتا ہے۔ تمام شہر میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ شہر کے تمام باشندے اپنے اپنے مکانوں میں بڑے تکلف اور اہتمام سے روشنی کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ طریقہ سلطان کے ساتھ خلوص اور محبت کی دلیل ہے۔ اُمرا اور پاشاؤں کے یہاں حد سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ شیخ علی ظبیان نے مجھ سے کہا۔ کہ پچھلے سال درویش پاشا کے مکان میں چودہ ہزار مومی گلاس روشن کیے گئے تھے۔ سڑک پر جس قدر مکانات ہیں اُن کے دروازوں پر روشنی کے حرفوں میں یہ عبارت لکھی ہوتی ہے "پادشاہم چوق یشا" یعنی "ہمارا بادشاہ بہت زندہ رہے"۔ یہ طریقہ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ فرنچ۔ جرمن۔ انگریز۔ اور اور یوروپ کی قومیں جو یہاں مقیم یا خوشباش ہیں۔ اُن کے دروازوں پر بھی یہ فقرہ روشنی کے حرفوں میں لکھا ہوتا ہے۔

مجکو نہایت افسوس ہے کہ میں یہ پرلطف اور پرجوش تماشا نہ دیکھ سکا۔ برخاستگی طبیعت کے ساتھ کچھ ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ زیادہ ٹھیرنا ممکن نہ تھا۔ لوگوں نے یہ بھی کہا۔ کہ ترکی حکومت میں ہر جگہ یہ جشن ہوتا ہے۔ تم جہاں کہیں ہوگے یہ سیر دیکھ سکوگے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ **دارالسلطنۃ** میں جو شان و شوکت اور اہتمام ہوتا ہے وہ دوسرے مقامات میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ طرہ یہ کہ مجکو بدقسمتی سے اس جشن کی معمولی سیر بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس تاریخ کو میں عالم آب میں تھا۔ یعنی جہاز پر سوار تھا۔ اور آبادی سے دور آچکا تھا۔

یاد ہوگا کہ میں جب قسطنطنیہ میں داخل ہُوا تھا تو "یکہ و تنہا" تھا۔ لیکن واپسی کے وقت بڑی گرمجوشی سے بغلگیر ہوتے ہیں اور دعائیہ الفاظ کے ساتھ خط و کتابت اور دوستانہ مراسم جاری رکھنے کے وعدے لیتے ہیں۔

جہاز پر پہنچا تو **حسن ہندی** پہلے سے میرے انتظار میں وہاں موجود تھے۔ ان سے ملکر نہایت خوشی ہوئی۔ دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ شام کے قریب جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ شیخ علی ظبیان جو اسی جہاز پر اپنے وطن دمشق کو جا رہے تھے۔ میرے ہمسفر اور مونس و غمگسار تھے۔ جہاز۔ روڈس۔ سمرنا۔ سائپرس ہوتا ہوا بیروت پہنچا۔ ایک دن جہاز پر عجب برہمی اور بے لطفی ہوئی۔ سائپرس میں دو شہر ہیں۔ لرنکہ اور لمونہ دونوں جگہ جہاز لنگر کرتا ہے۔ لرنکہ میں جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے انہیں سائپرس کا ایک رئیس تھا۔ اور چونکہ اسکو صرف لمونہ تک جانا تھا۔ تیسرے درجے کی چھت پر ہمارے دوست شیخ علی ظبیان کے بستر کے قریب آ بیٹھا۔ شیخ موصوف باوجود فضل و کمال کے تنک مزاج آدمی ہیں غیض

مذکور نے انکے بستر پر کوئی چیز رکھدی - اتنی بات پر یہ برہم ہوگئے - وہ غریب توجیہ ہائیلن اسکا ذکر جو صورت سے توی اور تنومند معلوم ہوتا تھا ضبط نہ کرسکا - بات زیادہ بڑھی یہانتک کہ جہاز کے اور مسافر جو اکثر شامی عرب تھے ادھر اُدھر سے آکر جمع ہوگئے - عربوں کا سہارا پاکر ہمارے دوست زیادہ تیز ہوئے نوکر نے کہا آپ غصّہ کیوں کرتے ہیں ؟ ہم آپ کی کچھ رعایا نہیں ہیں - ہمارا شہر انگریزی حکومت سے تعلق رکھتا ہے -

ان الفاظ کا اسکے مُنہ سے نکلنا تھا کہ تمام عرب برہم ہوگئے - یہانتک کہ ایک عرب نے کمر پکڑ کر اُسکو اُٹھا لیا اور کہا کہ "مردود ! تجھ کو دریا میں پھینکدیتا ہوں" - اگرچہ ہجوم کی وجہ سے نہایت کشمکش تھی - اور بعض آدمی اُسکو روکتے بھی رہتے تاہم وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا جہاز کے کنارے تک پہنچ گیا اور اس زور سے دو تین جھٹکے دئے کہ قریب تھا - کہ وہ غریب سمندر میں جا پڑے - اُسوقت چند آدمیوں نے نوکر کو بزور اُسکے قبضے سے چھڑا کر اشارہ کیا کہ کمبخت جہاز کے کسی گوشے میں چھپ جا - پھر بھی تمام عرب - دیر تک غل کرتے اور انگریزی حکومت کی شان میں نامناسب الفاظ کہتے رہے - مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ جہاز کے افسر یہ ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے - اور مطلق دخل نہیں دیتے تھے -

ساتویں دن ہمارا جہاز بیروت پہنچا - شیخ علی ظبیان جہاز سے اُترے - میں بھی ان کے ساتھ اس ارادہ سے اُترا کہ جہاز کے روانہ ہونے تک واپس آجاؤنگا - شہر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شیخ طاہر مغربی اتفاقات سے آج کل یہیں ہیں - شیخ موصوف دمشق میں مدرس ہیں اور اُن کے فضل و کمال کی ان اطراف میں بڑی شہرت ہے - میں نے قسطنطنیہ میں ان کے اوصاف سنے تھے - شیخ علی ظبیان نے کہا "تمکو ان ممالک میں دوبارہ آنا نہیں ہے شیخ طاہر کی ملاقات کا موقع ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے - غرض انکی صلاح سے میں جہاز سے اپنا اسباب اتروا لایا اور ایک ہفتہ تک بیروت میں مقیم رہا - چونکہ یہ شہر صوبۂ دمشق کا اسٹیشن اور اضلاع شام میں تہذیب و تمدن کا مرکز خیال کیا جاتا ہے - اس لئے میں اسکے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں -

بیروت

یہ نہایت قدیم شہر ہے - مورخین اسکے زمانۂ تعمیر کی ٹھیک تعین نہیں کرسکتے - لیکن اس قدر یقینی ہے - کہ حضرت عیسےٰ کی ولادت کے پیشتر موجود تھا سنہ ۲۲۲ عیسوی میں جب اسکندر سیفروس - رومتہ الکبریٰ کی مسند حکومت پر بیٹھا تو یہاں قانونی تعلیم کی بہت بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی - جو کئی سو برس تک بڑے اوج پر قائم رہی سنہ ۱۳ ہجری میں اسلام کے قبضے

میں آیا۔ لیکن زمانہ مابعد میں کئی بار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلکر عیسائیوں کے قبضے میں آیا۔ لیکن یہانتک کہ ۱۵۱۷ عیسوی میں سلطان سلیم اول نے اُسکو فتح کیا اور اُس وقت سے آج تک ترکوں کے زیر حکومت ہے۔

اس موجودہ ترقی کی ابتدا ۱۲۷۶ء ہے اور اُس وقت سے آج تک تجارت اور آبادی کو روز افزوں ترقی ہے۔ بیس برس پہلے اسکی مردم شماری چالیس ہزار تھی ۱۸۷۵ء میں ستر ہزار ہوگئی اور اب ایک لاکھ سات ہزار چار سو ہے جس میں ۳۲۰۰۰ مسلمان ہیں۔ باقی عیسائی اور کچھ یہود اور دُرزی ہیں۔ شہر کا قدیم حصہ نہایت خراب ہے۔ سڑکیں اور گلی کوچے تنگ اور ناہموار اور مکانات پست اور کم فضا ہیں۔ لیکن جدید حصہ نہایت پر رونق اور خوشنما ہے۔ ہوٹل۔ سرائیں قہوہ خانے کثرت سے ہیں۔ ایک قہوہ خانہ عین دریا میں ہے اور عجیب فضا کی جگہ ہے۔

زبان یہاں کی عموماً عربی ہے۔ عیسائی اور یہود وغیرہ سب عربی بولتے ہیں۔ لباس اور وضع۔ عرب کے قریب قریب ہے۔ لیکن پاجامہ کابلیوں کے انداز کا ہوتا ہے۔ میانی سونڈ کی طرح زمین تک لٹکتی ہے اور یہ بڑا احسن سمجھا جاتا ہے۔ ایک پاجامہ دس بارہ گز سے کم میں نہیں تیار ہوتا۔ مسلمان۔ عیسائی۔ دُرزی۔ سب یہی لباس پہنتے ہیں۔ البتہ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون پہننے لگے ہیں۔ آب و ہوا کسی قدر مرطوب ہے تاہم مشہور یہ ہے کہ تندرستی کے لئے بہت مفید ہے۔ یہانتک کہ اور اور مقامات سے لوگ تبدیل ہوا کے لئے یہاں آتے ہیں شاید ایسا ہی ہو لیکن میرا تجربہ اس کے خلاف ہے۔ میں جب تک وہاں رہا طبیعت بدمزہ رہی۔ دو تین دن بخار بھی آیا اور علاج کی ضرورت پڑی۔ البتہ لبنان جو ایک مشہور پہاڑ ہے اور یہاں سے تین چار میل ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے مشہور جگہ ہے۔ متنبی نے اسی کی نسبت کہا ہے۔

وعقاب لبنان وکیف بقطعھا   وھی الشتاء وصیفھن شتاء

بیروت
کی
علمی ترقی اور مدارس وغیرہ

بیروت میں علمی ترقی اگرچہ تھوڑے زمانے سے شروع ہوئی ہے۔ لیکن جس تیزی سے یہ شہر ترقی کر رہا ہے۔ اور ترقی کی جس حد تک آج پہنچ چکا ہے۔ اُسکے لحاظ سے تمام ممالک اسلامیہ میں قسطنطنیہ کے سوا کوئی شہر اسکا ہمسر نہیں ہے۔ اور بعض خصوصیتوں میں تو

عربی زبان کے ساتھ

اس کو قسطنطنیہ پر بھی ترجیح ہے۔
عیسائیوں کی ایک جماعت نے عربی زبان پر نہایت توجہ کی ہے۔ اور وہ ہر طرح ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت کوشش سے دور دور سے عرب کے قدیم دواوین بہم پہنچائے ہیں۔ اور اُن کو چھاپ کر شایع کیا ہے۔ خنسا، عنتر بن شداد العبسی اسمٰعیل ابو العتاہیہ۔ ابن ہانی۔ ابو فراس۔ وغیرہ کے دیوان انہیں لوگوں کی بدولت ہم تک پہنچے۔ ورنہ ان کا نام و نشان بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ عرب کے عیسائی شاعروں کے کلام کے ساتھ (اتحاد مذہب کی وجہ سے) اور بھی زیادہ اعتنا کیا ہے۔ ان تمام شعرا کے اشعار یکجا جمع کیے ہیں اور ان کا ایک سلسلہ چھاپنا شروع کیا ہے۔ تین چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اور باقی تیار ہو رہی ہیں۔ اس میں جاہلیہ اور اسلام دونوں زمانے کے شعرا داخل ہیں اخطل نصرانی جو زوق اور جریر کا معاصر اور دولت بنی امیہ کا مشہور شاعر تھا۔ اسکا دیوان نہایت کوشش اور اہتمام سے مستقل طور پر چھپا ہے۔ یہ دیوان نہایت نایاب اور عزیز الوجود تھا یہانتک کہ قسطنطنیہ اور مصر کے کتب خانے بھی اس سے خالی تھے صرف شہنشاہ روس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا۔ چنانچہ اسکی نقل و کتابت کا انتظام کیا گیا اور سینٹ پیٹرسبرگ یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے اسکی تصحیح کی۔ یہ قلمی نسخہ جسکو پروفیسر مذکور نے خود اپنے ہاتھ سے صحیح کیا تھا۔ مجھ کو دکھایا گیا۔ اور میں نے ان عیسائیوں کی بلند ہمتی اور ذوق علمی کا دل سے اعتراف کیا۔ مسلمانوں! تمکو بھی کچھ غیرت آتی ہے؟
ان لوگوں نے خود بھی فن ادب کے متعلق مفید تالیفات کی ہیں۔ چنانچہ روضۃ الادب فی طبقات شعراء العرب۔ مجانی الادب۔ شرح مجانی الادب۔ مشہور اور شایع ہو سکی ہیں تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان عالموں نے ادب میں جو مفید کتابیں لکھی ہیں۔ وہ بھی انہیں عیسائیوں کی بدولت یعنی عیسائیوں نے انکو اجرت اور صلہ دیکر یہ کتابیں تصنیف کرائیں اور انکو اپنے اہتمام سے چھاپا اور شایع کیا۔ مقامات بدیع اور رسائل بدیعی کی شرحیں جو حال میں نہایت خوبی اور اہتمام سے چھپکر شایع ہوئیں اسی طریقے سے تیار ہوئی ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ ان لوگوں کو عربی زبان کے ساتھ اس قدر اعتنا کیوں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ لوگ اپنے تئیں عربی النسل کہتے ہیں اور اس انتساب پر انکو فخر ہے۔
لٹریچر کا مذاق اس قدر عام ہے کہ بچہ بچہ کو شعر و شاعری کا چسکا ہے۔ بہت سے لوگ صاحب دیوان ہیں۔ اور دس پانچ قصیدے لکھنے والے تو سیکڑوں بلکہ ہزاروں ایک مشہور شاعر سے قہوہ خانے میں ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ۴۰ برس سے مشق

سخن میں مصروف ہیں۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ مذاق صحیح نہیں۔ غزل اور بیہودہ مدح سرائی کے سوا اور اصنافِ سخن سے نا آشنا ہیں۔ مضامین اور طرزِ شاعری کے لحاظ سے متاخرین کے سوا کسی کا کلام پسند نہیں کرتے ہیں اکثر صحبتوں میں جاہلیۃ اور ابتدائے اسلام کے شعراء کے اشعار پڑھتا تھا تو مجکو بدمذاق خیال کرتے تھے۔

علوم جدیدہ اور نئے مذاق کو بہت کچھ ترقی ہے۔ فلسفہ وصنائع و فنون جدیدہ کی اکثر کتابیں ترجمہ ہوگئی ہیں۔ بڑے بڑے کالجوں اور اسکولوں میں جو نصاب تعلیم ہے اور جو یہاں کے انٹرنس اور ایف اے و بی۔ اے کے برابر ہے عموماً عربی زبان میں ہے صرف ڈاکٹری کی تعلیم فرنچ زبان میں ہوتی ہے جسکی وجہ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کی کہ اس فن کے متعلق روز بروز تجربہ کو ایسی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کثرت سے نئی نئی کتابیں تصنیف ہوتی جاتی ہیں کہ ترجمہ انکا ساتھ نہیں دے سکتا۔ فلسفہ وعلوم جدیدہ کا بڑا ماہر اور مصنف پروفیسر فانڈیک ہے۔ جو امریکا کا رہنے والا ہے۔ اور ایک مدت سے بیروت میں رہتا ہے۔ اس نے عربی زبان میں علوم جدیدہ کا ایک مرتب سلسلہ تیار کر دیا ہے۔ جسکا نام نقش فی الحجر ہے۔ اسکے سوا اور بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان میں **انسائکلوپیڈیا** بالکل وجود نہ تھا۔ اس ضرورت کو پروفیسر بطرس نے پورا کیا۔ اس نے ۱۸۷۵ء عیسوی میں اسکی ابتدا کی اور اول کی چند جلدیں لکھیں لیکن چونکہ اُس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بیٹے سلیم آفندی نے تکمیل کا ارادہ کیا۔ اتفاق یہ کہ وہ بھی مرگیا۔ اب پروفیسر مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی باقی جلدیں تیار کر رہا ہے۔ دس ضخیم جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔

تاریخ اور متعلقات تاریخ پر نہایت مفید کتابیں لکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ لوگ عربی زبان کے ساتھ یورپ کی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں انکی تصنیفات میں وہ جامعیت ہوتی ہے جو یورپ والوں کی تصنیفات میں نہیں ہوتی چنانچہ آثار الادہار جس جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اس دعوے کی شاہد عادل ہے۔ البتہ یہ افسوس ہے کہ ان عیسائیوں کی تصنیفات میں مذہبی تعصب کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ صناجۃ الطرب اور اصول المعارف وغیرہ میں اس قسم کی بے اعتدالیاں صاف محسوس ہوتی ہیں۔

یہ مصنفین اکثر **لبنان** کے رہنے والے ہیں جن میں سے بہت سے لوگ بیروت میں آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کوہستان (لبنان) میں عجیب علمی مذاق پھیلا دیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ عموماً زمیندار یا کاشتکار ہیں۔ اور ضرورت کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن جب وقت اُن کو ان ضرورتوں سے ذرا بھی فرصت ملجاتی ہے علمی اشغال

میں مشروع ہوجاتے ہیں - اسکا یہ نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ علم یہاں ذریعۂ دولت نہیں تاہم اس علاقہ میں کثرت سے اہل [illegible] مصنفین پیدا ہوئے اور اب بھی موجود ہیں - خاص لبنان کے علماء اور شعرا کے حال میں ایک مستقل کتاب لکھی گئی ہے لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ تمام علمی ترقی اور تصنیف و تالیف جو کچھ ہے عیسائیوں کیساتھ مخصوص ہے مسلمان ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے -

مدارس یہاں کثرت سے ہیں جن میں سے مشہور مدارس کا نقشہ ذیل میں درج ہے

نام مدرسہ	مذہب	بورڈنگ اور فیس کا خرچ سالانہ	تعداد طلبا	تاریخ افتتاح مدرسہ
[illegible]	اسرائیلیہ	۲۰ پونڈ	۹۷	سنہ ۱۸۷۵ء
[illegible]	اسلام	۲۰ پونڈ	۱۵۰	[illegible]
الکلیہ بطرکیہ	روم آرتھوڈوکس	مفت	۰	۰
بطریرکیہ	رومن کیتھولک	۲۵ پونڈ	۱۳۷	سنہ ۱۸۶۶ء
الحکمۃ	مارونیہ	۰	۲۲۵	سنہ ۱۸۷۶ء
راہبات	لاٹینن	مفت	۱۱۵	۰
الکلیۃ السوریۃ التعلیمیۃ الانجیلیۃ شام کی علمی یونیورسٹی	انجیلیہ	۱۷ پونڈ	اسکا مفصل حال آگے آئیگا	سنہ ۱۸۶۵ء
الکلیۃ السوریۃ الطبیۃ الانجیلیۃ شام کی میڈیکل یونیورسٹی	انجیلیہ	۲۲ پونڈ	۰	۰
قدائس یوسف	لاٹن	۳۰ پونڈ	۰	۰
عورتوں کی تعلیم کیلیے مدارس بھی کثرت سے ہیں جنمیں سے مشہور مدارس یہ ہیں				
باکورۃ الاحسان	روم آرتھوڈکس	۱۵ پونڈ	۰	۰
راہبات [illegible]	انجیلیہ	۳۰ پونڈ	۲۵۰	۰

راہبات پراٹسٹنٹ	انجیلیہ	مفت	۵۰۰	
عارزیات تیاسی	لیٹن	مفت		
عادریات مجیہ	"	۲۵ پونڈ	•	•
عارزیات ناصریہ	"	۳۰ پونڈ	۱۱۵	•
سوریہ امیر کاینہ	انجیلیہ	۱۲ پونڈ	•	•

مسلمانونکی تعلیمی حالت کو اور قوموں کی تعلیمی ترقی سے جو نسبت ہے وہ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی

تعداد مدارس بیروت	تعداد زنانہ مدارس	یونیورسٹیوں اور کالجوں کی تعداد	زنانہ معلموں کی تعداد	تعداد طلبا ذکور	تعداد طلباء اناث	قوم
۲۱	۳	۵۰	۲۰	۲۰۰۰	۵۰۰	مسلمان
۸۶	۳۴	۲۳۶	۱۵۰	۶۷۳۰	۵۶۶۵	عیسائی و یہود وغیرہ

مسلمان طالب علموں کی یہ تعداد گو فی نفسہٖ کم ہے لیکن یہ امر اور بھی زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ اس تعداد میں بھی زیادہ تر ادنے درجے کے تعلیم والے شامل ہیں ورنہ اعلے تعلیم کے لحاظ سے انکی تعداد اسقدر کم ہے۔ کہ گویا کچھ بھی نہیں کسقدر افسوس کی بات ہے کہ یہ شہر اسلامی حکومت کا مرکز اور مسلمانوں اور عیسائیوں میں یہاں حاکم و محکوم کی نسبت ہے تاہم تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کو عیسائیوں سے کچھ نسبت نہیں۔ تعلیم کی جو حالت ہے وہ نقشہ بالا سے معلوم ہوئی ہوگی۔ تصنیف و تالیف کا حال اوپر گذر چکا۔ اخبارات۔ مطابع۔ تجارت وغیرہ میں اس سے بھی زیادہ بدتر حالت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الکلیۃ السوریۃ العلمیۃ

بیروت میں اگرچہ (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا) بہت سے اسکول و کالج ہیں لیکن یہ کالج یونیورسٹی

یونیورسٹی

اور اسی وجہ سے اسکا نام کلیہ سوریہ ہے کلیہ کا لفظ یہاں یونیورسٹی کے معنی میں اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور سوریہ ملک شام کو کہتے ہیں یعنی شام کی یونیورسٹی - میں نے اس کالج کو تفصیل کیسا تھ دیکھا اور اس وجہ سے اسکے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں یہ کالج ۱۸۶۵ء میں روسن کیتھولک پادریوں نے قائم کیا۔ پروفیسر اور ٹیچر قریباً ساٹھ ہیں جنمیں سے اکثر کالج ہی کے احاطے میں سکونت رکھتے ہیں۔

میں جب اس کالج میں گیا تو شیخ علی ظبیان اور عبدالباسط آفندی ساتھ تھے کالج کے دروازے پر پہنچے تو عبدالباسط آفندی نے ہم کو وہیں ٹھہرادیا اور خود اندر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے۔ انکے ساتھ ایک اور مشین شخص تھا۔ اس نے ہمارا استقبال کیا اور ہمکو ساتھ لیکر چلا۔ کالج کی عمارت دو منزلہ ہے نیچے کے درجے میں چھاپہ خانہ ہے اور یہ وہی چھاپہ خانہ ہے جس نے عمدگی طبع کی وجہ سے بیروت کو تمام دنیا میں روشناس کر دیا ہے جس شخص نے ہمارا استقبال کیا اسکا نام الیاس ہے اور چھاپہ خانہ کا تمام اہتمام اسی سے متعلق ہے۔ الیاس نے پہلے ہمکو مطبع کی سیر کرائی۔ تمام کام کل کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ رولر کاغذ کو خود کھینچ لیتا ہے۔ حرف پر سیاہی لگجاتی ہے۔ کاغذ دورُخہ چھپتا ہے اور زمین پر گرتا جاتا ہے حرف بھی یہیں ڈھالے جاتے ہیں چنانچہ الیاس نے ہمارے سامنے چند حرف ڈھالے یہاں کے کارخانہ کے حرفوں کی ایسی شہرت ہوگئی ہے کہ دور دور سے مانگ آتی ہے لیکن یہ تعجب ہے کہ جو صفائی اور خوشخطی یہاں کی مطبوعہ کتابوں میں ہوتی ہے اور کہیں نہیں ہوتی۔ میں نے الیاس سے اسکی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ یہاں حروف کی خوبی کے علاوہ اور بھی بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ فرمہ اتارنے کے بعد ایک آلہ سے اس ترکیب سے دبایا جاتا ہے کہ حرفوں کا اُبھار بالکل جاتا رہتا ہے۔ اور کاغذ چکنا و صاف ہو جاتا ہے چنانچہ اُسنے ہمکو دونوں طرح کے فرمے دکھائے۔ اصلاح کیا ہوا فرمہ بعینہ پتھر کا چھپا ہوا معلوم ہوتا تھا میں نے صفائی طبع اور حرفوں کی موزونی کی بہت تعریف کی۔ الیاس نے کہا کہ اصل میں

اس تعریف کا مستحق ابوالضیا ایک ترک ہے جس نے یہ حروف ایجاد کئے ہیں - البتہ ہم نے اُس کو زیادہ جلا دی ہے۔
مطبع ہی میں جلد سازی کا بھی کارخانہ ہے نہایت عمدہ مطلا و مذہب جلدیں تیار ہوتی ہیں یہاں تک کہ شام و مصر سے فرمائشیں آتی ہیں - میں نے یہاں ہاتی دانت کے پٹھے دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔
چھاپہ خانے سے فارغ ہو کر ہم نے کالج کو دیکھنا چاہا چونکہ اس کام کے لئے کالج کے کسی پروفیسر کا رہنما ہونا ضرور تھا الیاس نے پہلے پروفیسر افلاطون سے ہماری ملاقات کرائی یہاں ایک نہایت معقول طریقہ ہے اور اس قابل ہے کہ ہمارے ملک میں اسکی تقلید کیجائے - کالج کے ملازم اور پروفیسر وغیرہ جو کالج میں سکونت رکھتے ہیں - ان کے کمروں کے صدر دروازے پر ایک چھوٹی سی تختی لٹکتی رہتی ہے - اس تختی پر جدا جدا سطروں میں صبح سے شام تک کے کاموں کی تفصیل لکھی ہوتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب خانہ کس وقت کہاں ہوتا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ مثلاً پہلی سطر میں لکھا ہے کالج دوسری میں کھانے کا کمرہ تیسری میں سیر و تفریح - وعلیٰ ہذا تختی کی پیشانی پر ایک سوئی لگی رہتی ہے - صاحب خانہ جس وقت جس کام میں مصروف ہوتا ہے سوئی کو اس سطر کے سامنے تختے پر لگا دیتا ہے جس میں کام اور کام کے موقع کا ذکر ہے - جو شخص ملاقات کو آتا ہے اول اسکی نگاہ تختی پر پڑتی ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب خانہ اس وقت کہاں ہے اور کس کام میں ہے؟ مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ طریقہ کالج ہی کیساتھ مخصوص ہے یا ہر طبقہ میں رائج ہے - بہرحال یہ عمدہ طریقہ اس قابل ہے کہ ہر جگہ اسکی تقلید کیجائے۔
غرض الیاس نے ہم کو پروفیسر افلاطون سے ملایا - پروفیسر مذکور نہایت قابل اور لائق شخص ہے فرنچ زبان خوب جانتا ہے - عربی علم ادب کا استاد ہے - دیوان اخطل جو حال میں چھپا ہے اسی کی تصحیح اور اہتمام سے چھپا ہے - دیوان مذکور پرانے جو حا

چڑھانے ہیں وہ مستقل شہر کی برابر ہے۔ اور اس سے اسکی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے
کالج کا ہفتہ وار اخبار جو عربی زبان میں نکلتا ہے اور جسکا نام البشیر ہے اسی کی اڈیٹری
میں نکلتا ہے ہم نے اسکی وجہ سے کالج کی ایک ایک عمارت اور آلات وغیرہ کی سیر کی۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ کالج یہاں کے عیسائیوں کے لئے باعث فخر اور تمام سلمانوں کیلئے موجب
رشک ہے مصر و شام کا تو کیا ذکر ہے قسطنطنیہ کا بھی کوئی کالج اسکی ہمسری کا دعوےٰ نہیں
کر سکتا عمارت اس قدر شاندار۔ موزوں۔ اور خوبصورت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اوپر کی
منزل کا فرش بالکل سنگ مرمر کا ہے اور سنگ سیاہ کی پچی کاری ہے۔ کمرے نہایت کثرت سے
ہیں پروفیسر اور ٹیچر جو ۵۰ سے زیادہ ہیں اور شب روز کالج ہی میں رہتے ہیں سب کے لئے الگ
الگ کمرے ہیں۔ ایک عالیشان کمرہ جو نہایت عمدہ فرنیچر اور ساز و سامان سے آراستہ
ہے اور جسکے بیچ میں مستطیل میز اور گرد بہت سی خوبصورت کرسیاں بچھی ہیں۔ پروفیسروں
اور استادوں کے لئے مخصوص ہے۔ فرصت کے اوقات میں وہ لوگ یہاں آ بیٹھتے ہیں
اور دوستانہ صحبت رہتی ہے۔ اس میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جسکا جی چاہتا ہے
کوئی کتاب اٹھا لیتا ہے اور اس سے دل بہلاتا ہے۔ مجھکو اس وقت خیال آیا کہ ہمارے کالج
میں یہ بڑی کمی ہے کہ اس قسم کی کوئی عمارت نہیں جہاں تمام اساتذہ گھڑی دو گھڑی مل
بیٹھا کریں چونکہ اس قسم کی صحبت دل بہلانے کے سوا قومی مذاق کے لئے نہایت مفید ہے
کالج میں سائنس اور علوم جدیدہ کی تعلیم نہایت اعلےٰ درجے پر ہوتی ہے۔ اور اس
غرض سے نہایت بیش قیمت آلات اور نایاب چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ بہت سی الماریاں
ہیں جن میں عجیب عجیب مختلف رنگ اور صورت کے پتھر اور حجرے مٹی کے ٹکڑے ہیں۔ یہ
نادر چیزیں طبقات الارض کی تعلیم کے لئے دور دور مقامات سے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات کا الگ
کمرہ ہے اور بہت وسیع ہے۔ پروفیسر الڈن نے مجھسے کہا کہ ان نباتات کی حفاظت و پرداخت
میں نہایت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پروفیسر مذکور نے ایک قسم کی گھانس دکھائی اور کہا کہ یہ

عمارت کی خوبی

مدرسین کی تعداد

ہندوستان کے سوا اور کہیں نہیں پیدا ہوتی اور دہلی سے منگوائی گئی ہے۔

کالجوں کا کتب خانہ

کالج کے ساتھ بورڈنگ بھی ہے اور اسی وضع کا ہے جیسے قسطنطنیہ کے بڑے بڑے کالجوں کے بورڈنگ ہیں۔ کالج کی لائبریری اگرچہ بہت بڑی نہیں ہے۔ لیکن کتابیں نادر اور کمیاب جمع کی گئی ہیں۔

جو کتابیں چھپی نہیں اور انکے قدیم نسخے نہیں مل سکتے یورپ اور ایشیا کے مشہور کتبخانوں سے انکی نقل و استنساخ کا انتظام کیا ہے۔ ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ جو اپنے باب میں بے مثل اور نادر کتاب ہے میں نے اسی کتبخانہ میں دیکھی۔ اس کالج میں عربی زبان اور فرنچ کی تعلیم لازمی ہے۔ باقی زبانیں اختیاری ہیں چنانچہ ترکی کی ایک جرمن کی ایک انگریزی کی پانچ لاطین و یونانی کی سات کلاسیں ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ بانیان مدرسہ عموماً عیسائی ہیں اور عیسائی بھی رومن کیتھولک جن میں نسبت اور فرقوں کے تعصب زیادہ ہوتا ہے تاہم ادب کے نصاب میں قرآن مجید کا انتخاب بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہونا انکو بھی مسلم ہے۔ علوم جو پڑھائے جاتے ہیں انہیں فلسفہ حال و علوم طبیعیہ کے علاوہ موسیقی و تصویر کشی کا فن بھی داخل ہے طلبا کی تعداد ۵۰۰ اور ۶۰۰ کے بیچ میں ہے جنمیں مسلمان صرف ۱۰ یا ۱۲ ہیں

کالج کی عمارت باوجود اسکے کہ بیروت میں تمام چیزیں نہایت ارزاں ہیں۔ دس لاکھ فرنک میں تیار ہوئی ہے اور یہ کل رقم پادریوں کی ایک جماعت نے ادا اور مہیا کی ہے۔

اس کالج کے ساتھ میڈیکل (طبی) کالج بھی ہے لیکن اسکی عمارت کسیقدر فاصلہ پر ہے پروفیسر انطون نے ہمکو اسکی بھی سیر کرائی۔ عمارت نہایت وسیع اور بلند اور آلات نہایت بیش قیمت اور کثرت سے ہیں۔ تشریح کے کمرے میں جو بہت لمبا اور وسیع ہے انسان کے ایک ایک عضو کی تصویر موم کی بنی ہوئی ہے اور اس خوبی و صفائی سے بنائی ہے کہ نقلی ہونیکا گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایک عضو کے متعلق جسقدر امراض ہیں اسی تعداد کے موافق

ہزار تک کے متفرق نمونے ہیں چنانچہ ایک خانہ میں کم و بیش ۲۰۰ انجیلیں ہیں کسی میں بیلیں ہے کسی [illegible] کسی کی پلکیں جھڑ گئی ہیں ۔ میں نے ہندوستان کا کوئی میڈیکل کالج نہیں دیکھا ہے ۔ لیکن مجھ کو کافی یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک کالج بھی اس سے بڑھکر بلکہ اس کی برابر بھی نہ ہوگا ۔

پروفیسر انطون نے ہمارے لئے جو تکلیف اُٹھائی اور جس توجہ اور اخلاق سے وہ تمام کمروں اور چیزوں کی ہمکو سیر کراتا رہا ۔ یہ نہایت ناشکری ہے کہ میں اس موقع پر اسکا دلی شکریہ نہ ادا کروں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر مذکور مجھ سے ملکر خوش ہوا چنانچہ اس ہفتہ میں البشیر کا جو پرچہ نکلا اُس میں ایک اڈیٹوریل نوٹس میرے متعلق تھا جسکی عبارت یہ ہے ۔



ہماری زبان میں انجمن کا لفظ جس معنی میں بولا جاتا ہے ۔ اُسکے مقابل میں یہاں جمعیہ کا لفظ ہے ۔ مصر وغیرہ میں بھی یہی لفظ مستعمل ہے ۔ انجمنیں یہاں بکثرت ہیں اور اُنکے مقاصد نہایت مفید ہیں ۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بھی نہیں بعض بعض انجمنوں کا نقشہ ذیل میں درج ہے جس سے اُنکے مقاصد بھی معلوم ہونگے ۔

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
مجلس ملی	رومن آرتھوڈکس	تعلیم عام	مطران غبریئیل
جمعیہ مسیحی	ایضاً	مذہبی	ایضاً

نام انجمن	مذہب	مقصد	بانی انجمن
قدیس پولس مختص پرسول	روم آرتھوڈکس	مذہبی	مطران احمر سل
خیریہ	ایضاً	اعانت فقراء	خواجہ سلیم
مرنتی	ایضاً	غریبوں کا معالجہ	خواجہ نجیب
دفن الموتی	ایضاً	لاوارث اور غریب اشخاص کی تجہیز و تکفین	خوری یعقوب
زہرۃ الاحسان	ایضاً	فن ادب	سیدہ طریقہ
خیریہ	مارونیہ	اعانت فقراء	خواجہ حنانیہ
دائرہ علمیہ	ایضاً	ترقی علوم	مطران یوسف
اخویہ مار مارون	ایضاً	فن ادب	سلیم آفندی
یوحنا مارون	ایضاً	رفاہ عام	خواجہ خلیل
خیریہ	رومن کیتھولک	اعانت فقراء	بشارہ خوری
دیر القمر	"	"	خواجہ نخلہ
شمس البر	مسیحی	ادب	سلیم آفندی کساب
باکورۃ السوریہ (یعنی شام کی صبح)	"	ادب	سیدہ حنہ عتیق
انجیلیہ	انجیلیہ	رفاہ عام	خلیل آفندی سرکس

اس فہرست سے ظاہر ہوگا کہ عیسائی مذہب کی جسقدر شاخیں ہیں سب کی الگ الگ انجمنیں ہیں لیکن مسلمانوں نے اس فضول کام کو سرے سے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

اخبارات و رسالے جو یہاں سے نکلتے ہیں۔ البشیر۔ بیروت۔ لقدم
ثمرات الفنون۔ الصبح المنیر۔ الصفا۔ لسان الحال۔ المصباح

المدیۃ - النشرۃ الاسبوعیہ - حدیقۃ الاخبار - زیادہ مشہور ہیں - ان میں بیروت - اور ثمرات الفنون کے سوا اور تمام اخباروں کے مالک اور ایڈیٹر عیسائی ہیں - چونکہ مطبع کو یہاں آزادی نہیں اس لئے ان اخبارات میں معمولی خبروں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا - البتہ علمی رسالے بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں - اور خصوصاً الصفا اور المقتطف تو اس شان کے پرچے تھے - کہ یورپ کے میگزینوں کی برابری کرتے تھے - افسوس ہے کہ الصفا بند ہوگیا اور المقتطف نے اپنا مقام بدل دیا یعنی اب قاہرہ سے نکلتا ہے -

رصدخانہ

یہاں ایک مختصر سا رصدخانہ بھی ہے - جسکو پروفیسر فان ڈیک امریکانی نے ۱۸۷۴ء میں قائم کیا تھا - اسمیں رصد کے متعلق اکثر ضروری آلات موجود ہیں ہر روز جو امور رصد سے معلوم ہوتے ہیں انکی اطلاع بذریعہ تار کے قسطنطنیہ بھیجی جاتی ہے اور وہاں سے یورپ وغیرہ میں شائع ہوتی ہے - اسکا اہتمام اب مسٹر رابرٹ کے ہاتھ میں ہے جو مدرسہ امیر کانیہ میں ریاضیات کا پروفیسر ہے +

عام حالات اور بیروت کے احباب

میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ بیروت میں قیام کرنے کا اصلی سبب شیخ طاہر مغربی سے ملنا تھا چنانچہ عبد الباسط الانسی کے ذریعہ سے ان سے ملاقات ہوئی اور دیر تک علمی صحبت رہی دو تین دفعہ اور ملاقاتیں ہوئیں ایک بار فرودگاہ پر بھی تشریف لائے شیخ موصوف ابھی جوان ہیں لیکن علم و فضل کی وجہ سے لوگ انکی بہت عزت کرتے ہیں - میں نے انکے کمال کا جس چیز کو جوہر سمجھا اور جسکا مجھکو خود تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ شیخ موصوف اور علما کی طرح محدود خیال کے آدمی نہیں ہیں - نئے خیالات سے آشنا ہیں کسی قدر فرنچ بھی جانتے ہیں فرانس کی سیر کی ہے - قومی ہمدردی کا مادہ ہے اور مسلمانوں کے

تنزل سے بےخبر نہیں ہیں۔ اگر یہ مذاق ان ممالک کے عام علما میں پیدا ہو جائے تو ترقی کی واقعی امید ہو سکتی ہے۔ شیخ موصوف **دمشق** کے مدرسے میں مدرس ہیں وہ صاحب تصانیف بھی ہیں اور ریاضی کے فن میں انکی بعض تصنیفات چھپ کر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

بیروت کے اور علما اور اہل کمال سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ میں معمولاً عبدالباسط الانسی کی دوکان پر بیٹھا کرتا تھا وہاں اکثر اہل علم اور ارباب مناصب آنکلتے تھے اور ان سے ملاقات و تعارف ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر میں زیادہ چرچا ہوا تو بعض بعض حضرات میری قیامگاہ پر بھی تشریف لائے۔ ان میں سے شیخ عمر جیلی اور ایک اور صاحب جنکا نام اب یاد نہیں رہا میرے حال پر نہایت عنایت فرماتے تھے۔ شیخ عمر جیلی مشہور رسالہ الصفا کے مالک اور مہتمم ہیں اور نہایت فیاض اور خوش اخلاق ہیں۔ دوسرے صاحب جو طالب علم ہیں منطق کی تحصیل کی غرض سے تشریف لائے۔ میں نے تنگی وقت کا عذر کیا۔ تاہم وہ اکثر تشریف لاتے تھے اور فن ادب کے تذکرے رہتے تھے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ **متنبی** کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے میں نے کہا کہ "لہ حسنات وسیئات" بولے کہ "ولحسناتہ یذھبن السیئات" مجکو انکا پرلطف جواب نہایت پسند آیا۔

ایک دن عبدالباسط الانسی نے میری دعوت کی اور بیروت کے اکثر مشہور علما کو مدعو کیا۔ شیخ عبدالقادر جزایری جو الجزائر کا بادشاہ تھا اور ایک مدت تک فرانس کے ساتھ معرکہ آرا رہا۔ اس کے بھتیجے شیخ عبدالرحمن الجزایری مدت سے یہاں رہتے ہیں اور سلطان کے ہاں سے وظیفہ پاتے ہیں وہ بھی تشریف لائے تھے نہایت معمر اور صاحب علم ہیں۔ عبدالباسط الانسی کے مکانات میں چھوٹا سا ایک باغ ہے۔ سب لوگ وہاں بیٹھے۔ بنچ اور کرسیوں کی نشست تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ کھانے کے کمرے میں گئے کھانا انگریزی طریقے پر تھا یعنی میز اور کرسیاں تھیں۔ اور ایک کھانا ہو چکتا تھا تو دوسرا لایا جاتا تھا ایک ڈش کے بعد دوسری ڈش آتی تھی۔ میں نے شیخ طاہر مغربی سے کہا کہ ہندوستان میں ایسا اتفاق ہوتا تو من تشبہ بقوم کا فتویٰ لگایا جاتا۔ بولے کہ ان ممالک میں یہی مناسب ہے کیونکہ وہاں اسلامی حکومت نہیں رہی۔ اسلئے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات کا (گو وہ صحیح نہ ہوں) قائم رکھنا ضرور ہے تاکہ مذہب کا عام اثر کم نہ ہونے پائے لیکن اسلامی ممالک میں ان فضول باتوں کی کچھ ضرورت نہیں"۔ یہ صحبت دیر تک رہی اور بڑے لطف سے گزری۔ کھانے بھی نہایت لذیذ اور خوشگوار تھے۔

چونکہ یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے میری طبیعت برابر بدمزہ رہی۔ ایک دن بخار بھی آگیا۔ عبد الباسط آفندی کے چچیرے بھائی عبد الرحمن الانسی یہاں کے مشہور ڈاکٹروں میں ہیں اور مصر کے مڈیکل کالج میں اعلیٰ درجے کی تعلیم پائی ہے علاج کی غرض سے میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت مہربانی کی اور کہا کہ "آپ جب قیام گاہ پر تشریف لیجائینگے تو دوا وہیں پہنچ جائیگی" چنانچہ دو گھنٹے کے بعد ایک آدمی دوا کی شیشی لیکر آیا اور کہا کہ اگر اس سے آرام نہ ہو تو ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیجئے گا۔ دوا سریع الاثر ہونے کے ساتھ خوش مزہ بھی تھی۔ بخار اُسی دن جاتا رہا ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ یورپ کے طریقے پر تعلیم پائی ہے لیکن ایشیائی بلکہ اسلامی مہمان پرستی کا اثر اسقدر باقی ہے کہ فیس درکنار دوا کی بھی قیمت لینی گوارا نہ کی۔

اس بخار نے بڑا حرج یہ کیا کہ طرابلس کی سیر مفت میں جاتی رہی۔ ان دنوں طرابلس کے بعض علما اتفاق سے وہاں آگئے تھے۔ ایک صحبت میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان لوگوں نے نہایت اصرار کیا کہ ہمارے ساتھ طرابلس چلو۔ طرابلس مشہور اسلامی شہر ہے۔ اور بعض اسلامی خصوصیتوں کے لحاظ سے بڑا یادگار مقام تھا۔

کیا جاتا ہے۔ بیروت سے صرف دو دن کی راہ ہے۔ کافی وقت تھا کہ ہیں وہاں جاکر جہاز کی روانگی تک واپس آجاتا میں نے ہر طرح تیاری بھی کر لی تھی لیکن عین وقت پر بخار آگیا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس سے زیادہ بد قسمتی یہ کہ احباب نے بھی ساتھ چھوڑا۔ شیخ علی ظبیان جو کئی مہینے تک انیس و ہمدم رہے تھے صرف میری وجہ سے بیروت میں مقیم تھے۔ دمشق سے ان کے والد ماجد کا خط آیا اور ان کو مجبوراً جانا پڑا۔ رات کے آٹھ بجے روانگی کا وقت تھا۔ رخصت کے وقت گلے ملکر میرے شانوں کو بوسہ دیتے تھے (عرب کا عام دستور ہے) اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیة من عرار

یعنی اب نجد کے عرار (ایک پھول کا نام ہے) کی خوشبو سے لطف اٹھانا ہو تو اٹھالو ورنہ آج کی رات کے بعد پھر عرار نصیب نہیں ہونے کا۔

بیروت میں میں نے جس چیز کو نہایت ناپسند کیا وہ ایک مکان ہے جسکو مغنی کہتے ہیں یہ نہایت نامہذب اور مخرب اخلاق چیز ہے اور معلوم نہیں کہ اسلامی حکومت اسکو کیونکر جائز رکھتی ہے۔ عین سڑک پر ایک عالیشان دو منزلہ مکان ہے اوپر کی منزل میں ایک وسیع کمرہ ہے جس میں ترتیب کے ساتھ بہت سی کرسیاں بچھی ہیں صدر کی جانب ایک بلند مستطیل چبوترہ ہے۔ بہت سی لڑکیاں اسپر بیٹھکر گاتی جاتی ہیں ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو لیڈیاں چبوترے سے اُترکر کمرے میں ٹہلتی ہیں اور معشوقانہ انداز کے ساتھ تماشائیوں کے پاس سے گزرتی ہیں جسکو منظور ہوتا ہے اشارے سے اُنکو بلاتا ہے اور وہ بڑے ناز و انداز سے اُسکے پہلو میں آکر بیٹھ جاتی ہیں نہایت بیحیائی اور بے شرمی کے ساتھ اختلاط شروع ہوتا ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ ہاتھ دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالکر بوسے لیتے ہیں صاف۔ بوالفضول غرض بیحیائی کا کوئی

دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ۔

بیروت سے روانگی

بیروت میں میری طبیعت یوں ہی بدمزہ تھی شیخ علی ظبیان ۔ اور شیخ طاہر مغربی
کے چلے جانے کے بعد اور بھی وحشت ہوئی لیکن جہاز کے انتظار میں چار و ناچار دو
تین روز اور ٹھیرنا پڑا ۔ ۹ صفر سنہ ۱۳۱۰ ہجری شام کے وقت بیروت سے روانہ ہوا ۔ شیخ
عبد الباسط اور شیخ عمر حسین بندرگاہ تک ساتھ آئے اور انہیں کے ذریعے سے اسباب
وغیرہ کے انتظام میں نہایت آسانی ہوئی ۔ دوسرے دن جہاز یافہ پہنچا ۔ جہاز کے لنگر
کرنے کے ساتھ ملاحوں اور قلیوں کا حملہ ہوا اور اس قدر شور و غل اور ابتری پیدا ہوگئی
کہ میرے ہوش جاتے رہے میرا اسباب ہر چند نہایت مختصر تھا تاہم اس کے بھی حصے
بخرے کر لئے گئے اور جس ملاح کو جس قدر ہاتھ لگا لیکر چلتا ہوا ۔ اور اپنی کشتی میں جا کر
رکھ آیا ۔ میں حیران تھا کہ خود کہاں جاؤں آخر بہ تقدیر ایک کشتی میں بیٹھ کر کنارے
پہنچا دیر تک اس کشتی کا انتظار کرنا پڑا جس میں بقیہ اسباب تھا ۔ یہ مرحلہ طے
ہوا تو آگے پروانہ راہداری اور معائنہ اسباب کی مصیبت کا سامنا تھا ۔ بارے ہزار
خرابی دوپہر تک ان جھگڑوں سے نجات ملی ۔ اور خانہ ظفر کے قریب شہر میں پہنچا ۔
یافہ جسکو انگریزی میں جافا کہتے ہیں نہایت قدیم شہر ہے ۔ توریت میں اسکا ذکر ہے
اور مورخ بلینی کا بیان ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھا ۔ سنہ ۱۵ ہجری میں کہ
حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد تھا اسلام کے قبضہ میں آیا چونکہ یہ شہر بیت المقدس کا
اسٹیشن ہے یعنی یہیں سے بیت المقدس جاتے ہیں اس واسطے ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں
کی کثرت سے آمد و رفت رہتی ہے ۔ شہر کا وہ حصہ جسکو یورپین آبادی کہا جا سکتا ہے
خوشنما درست اور پرتکلف ہے ۔

میوہ جات یہاں کثرت سے ہوتے ہیں ۔ انار نہایت عمدہ ہوتا ہے اور بہت سستا

آتا ہے۔ ایک بڑی خصوصیت اس شہر کی یہ ہے کہ شہر کے باہر باغوں کا ایک سلسلہ ہے اور متصل دو تین میل تک چلا گیا ہے۔ بیت المقدس یہاں سے ۴۰ میل ہے اب تو ریل جاری ہو گئی ہے۔ لیکن اُسوقت شکرم چلتی تھی۔ میں مغرب کے قریب سوار ہوا راہ میں بعض مشہور مقامات (رملہ وغیرہ) آئے لیکن رات کی وجہ سے میں کچھ دیکھ نہ سکا۔

صبح ہوتے ہوتے پہاڑوں کا سلسلہ نظر آیا جو برابر بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ سڑک اگرچہ بڑے کج وپیچ سے چکر کھاتی ہوئی گئی ہے۔ لیکن نہایت صاف اور ہموار ہے۔ پہاڑ کا دامن بالکل سرسبز اور شاداب ہے۔ اور عجیب لطف و فضا کا مقام ہے جا بجا عربوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ مکانات اگرچہ تنگ و مختصر ہیں۔ لیکن بالکل سفید پتھر کے ہیں سبزہ زار میں یہ سپیدی نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ دس بارہ میل جاکر ختم ہوا۔ اور بیت المقدس کی آبادی نظر پڑی۔

بیت المقدس پہاڑ پر آباد ہے میں ایک ہفتہ یہاں رہا اور مسجد اقصیٰ اور تمام وغیرہ کی سیر کی گاڑی سے اُتر کر میں سید عبدالرزاق آفندی کے مکان پر گیا انھوں نے بہت عنایت کی (یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں تفصیل کے ساتھ آئیگا) تو ہوٹل میں جانیکا قصد کیا۔ راہ میں ہندیوں کا زاویہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ یہاں کے لوگوں سے ملنا مفید ہوگا چنانچہ زاویہ میں داخل ہُوا تو پہلے شیخ زاویہ کا سامنا ہوا۔ یہ شیخ رامپور کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت سے یہاں رہتے ہیں۔ بیچارے کچھ پڑھے لکھے نہیں۔ نہایت معقول اور منتظم آدمی ہیں۔ زاویہ کو نہایت خوش سلیقگی سے درست کیا ہے۔ ایک کمرہ جو ملاقاتیوں کے لئے مخصوص ہے معقول طور پر آراستہ ہے۔ صحن میں پھولوں کی کیاریاں ہیں سلام علیک اور مزاج پرسی کے بعد باتوں باتوں میں جب اُنکو معلوم ہُوا۔ کہ میں ہوٹل میں ٹھیرنا چاہتا ہوں تو انھوں نے کہا کہ تمکو یہاں مفتی صاحب اور دیگر اہل علم سے ملنا ہے وہ ہوٹل میں ٹھیرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ میں زاویہ ہی میں ٹھیرا۔ لیکن زاویہ کو

کھانا اس خیال سے نہیں کھاتا تھا کہ وہ فقرا اور محتاجوں کے لیئے مخصوص ہے۔

بیت مقدس مسجد اقصیٰ۔ قمامہ

بیت المقدس کسی خاص عمارت کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام ہے۔ لیکن یہاں زیادہ تر قدس کہتے ہیں یہ متبرک شہر اگرچہ حضرت داؤد وسلیمان کی انتساب سے شہرت رکھتا ہے اور گویا اسکے وجود کی تاریخ انہیں انبیا کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ اس عہد سے بہت پہلے موجود تھا حضرت عیسیٰ سے ۱۰۴۸ برس پہلے حضرت داؤد نے اسکو مدبیون سے چھینا اور اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس عہد سے آج تک وہ بڑے بڑے تاریخی واقعات کا مرکز رہا ہے۔ شروع اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ تھا اور عیسائیوں کا آج بھی ہے۔

موجودہ شہر کی آبادی پچاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔ مکانات اور عمارتیں معمولی درجے کی ہیں۔ سڑکیں بھی چنداں وسیع نہیں ہیں اور چونکہ اکثر جگہ مسقف بازار ہیں۔ اس لیئے زیادہ تنگی اور تاریکی ہے۔ شہر کے گرد پتھر کی شہرپناہ ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۴۳ء میں تیار کرائی تھی۔ یہ حالت قدیم شہر کی ہے لیکن جدید آبادی نہایت پرفضا اور پُررونق ہے۔ سڑک نہایت وسیع اور دونوں طرف عالیشان عمارتیں ہیں بنگلے اور کوٹھیاں کثرت سے ہیں اور احاطے عموماً وسیع اور سبزہ وچمن بندی سے آراستہ ہیں۔ تمام شہر کی زبان اور وضع ولباس عربی ہے۔ قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی بہت سے زاویئے اور تکیے ہیں ہر قوم اور ملک کے لیئے الگ الگ زاویہ ہے اور مسافروں کو کھانا اور قہوہ مفت ملتا ہے۔ آب وہوا نہایت عمدہ ہے۔ میں اگست کے آغاز میں پہنچا تھا۔ تاہم دن کو گلابی جاڑا ہوتا تھا اور رات کو اچھی خاصی سردی پڑتی تھی۔ میوے کثرت سے اور نہایت شیریں ولذیذ ہوتے ہیں۔ اُس وقت انگور کا آغاز تھا جسطرح ہمارے یہاں صبح کے وقت بھٹے گاجر وغیرہ ٹوکروں میں بھر بھر کر بازار میں لاتے ہیں اور دور تک ڈھیر لگ جاتا ہے۔

بعینہ یہی حالت یہاں انگوروں کی ہے میرا تمام دن یہ مشغلہ رہتا تھا کہ انگور کے دانے ٹونگا کرتا تھا۔

مسجد اقصیٰ

یہ وہ مبارک مسجد ہے جسکی بنا حضرت داؤد نے ڈالی اور حضرت سلیمان نے انجام کو پہنچایا۔ مسجد کا احاطہ جسکو حرم کہتے ہیں نہایت وسیع ہے لیکن زیادہ تر ناہموار و غیر مسطح ہے اور اکثر جگہ خودرو گھانس اور جھاڑیاں ہیں۔ میں نے لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا معلوم ہوا کہ سلطان نے کئی دفعہ اسکی مرمت اور درستی کے لئے رقم کثیر بھیجی۔ لیکن کارپردازوں اور مجاوروں نے اسکا بہت کم حصہ صرف کیا۔ طرہ یہ کہ میں نے خود مجاوروں سے پوچھا تو ایک صاحب نے فرمایا "کہ ہاں کچھ رقم مجاوروں کے تصرف میں بھی آتی ہے۔ اور کیوں نہ آئے باورچی کھانا پکاتا ہے تو نمک خواہ مخواہ چکھ لیتا ہے"۔

مسجد کی عمارت جسکا طول (۱۰۰) گز اور عرض (۷۰) گز ہے نہایت خوبصورت پرتکلف اور شاندار ہے چھت ستونوں پر ہے اور (۷۰) صرف سنگ رخام کے ستون ہیں۔ جا بجا پچی کاری اور طلائی کام ہے۔ یہ عمارت جسقدر ہے عبدالملک بن مروان کی بنوائی ہے۔ البتہ بنیادوں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد کے عہد کی ہیں بائیں جانب عمارت اور کسی قدر فاصلے پر ایک وسیع تہ خانہ ہے۔ دس بارہ سیڑھیاں اُتر کر مسطح زمین ملتی ہے۔ یہاں نہایت عالیشان محرابوں کی سات قطاریں ہیں محرابوں کے ستون نہایت چوڑے اور بلند ہیں۔ مجاورین ان محرابوں کو حضرت سلیمان کے عہد کی تعمیر بتاتے ہیں اور اسقدر تو یقینی ہے کہ اسلام کے قبل کی ہیں۔

حرم مسجد میں اور بہت سے متبرک مقامات ہیں۔ مثلاً قبۃ السلسلہ، قبۃ المعراج قبۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ لیکن سب میں زیادہ پرشان قبۃ الصخرہ ہے۔ زیادہ

پتھر رکھا ہوا ہے جسکی نسبت عوام میں مشہور ہے کہ آسمان و زمین کے بیچ میں معلق ہے اور قیامت کے دن عرش مجید اسی پر رکھا جائیگا - اہل عرب اسکو صخرہ اور ہمارے ملک کے عوام تخت رب العالمین کہتے ہیں - اسمیں شبہہ نہیں کہ یہ پتھر نہایت قدیم زمانہ کا ہے اور ہر زمانے میں اسکی نہایت عظمت کی گئی ہے - عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسپر قدم رکھا تھا - چنانچہ سلطان صلاح الدین کے عہد سے پہلے جب اسپر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا تو انہوں نے اپنے خیال کے موافق اس نشان پر سونیکا قبہ بنایا تھا - مسلمان بھی اسکی نہایت عزت کرتے ہیں لیکن مجھکو معلوم نہیں کہ کسی صحیح حدیث میں بھی اسکی کوئی فضیلت مذکور ہے -

بہرنوع قبہ کی صورت یہ ہے کہ ایک بلند چبوترہ پر مثمن برج ہے جسکی بلندی کم و بیش (۱۰۰) فیٹ ہے چھت اور دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی اور طلائی کام ہے اور باوجودیکہ مدتوں کا بنا ہے تاہم اسقدر روشنی اور چمک ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی مختصر یہ کہ زیب زینت کے لحاظ سے علامہ بشاری کا یہ دعوےٰ چنداں بیجا نہیں - کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ہن نے ایسی خوبصورت اور پرتکلف کوئی عمارت نہیں دیکھی - سیڑھیوں سے اترکر غار میں داخل ہوتے ہیں یہاں وہ مقدس پتھر رکھا ہوا ہے - غار اسقدر وسیع ہے - ساٹھ ستر آدمیوں کی بخوبی گنجائش ہے - صخرہ زمین سے دو قد آدم بلند ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے وہ بالکل ہوا میں معلق تھا - ممکن ہے کہ اُس زمانے میں ایسا ہی ہو - لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ایک مدور دیوار ہے اور صخرہ اسپر اس طرح رکھا ہوا ہے کہ دیوار کی چھت بنگیا ہے - مجاورین کا بیان ہے کہ صخرہ کو ہوا میں معلق دیکھکر لوگ اسکے نیچے جاتے ہوئے ڈرتے تھے - یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک عورت کا اسقاط حمل ہو گیا - یہ واقعہ شیخ محی الدین اکبر کے عہد میں ہوا تھا - شیخ موصوف نے اسکے گرد دیوار کھنچوادی کہ بظاہر معلق نہ معلوم ہو - مجاورین یہ بھی کہتے ہیں کہ دیوار اسقدر

اور اندر سے کھوکھلی ہے کہ کسی طرح صخرہ کا بار نہیں اٹھا سکتی چنانچہ ایک مجاور نے میرے سامنے دیوار کو انگلی سے کھٹ کھٹایا اور کھن کھن آواز نکلی

واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ یہ مقام مدت تک انبیائے کرام کا مسکن و ملجا وانعام کا مہبط رہا ہے اسلئے آیات اور تجلیات الٰہی کے جس قدر آثار یہاں موجود ہوں محل تعجب نہیں بیت المقدس اور اسکے قرب وجوار میں اور بھی بہت سی زیارت گاہیں ہیں۔ مثلاً بیت اللحم جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام تولد ہوئے تھے مقام خلیل جہاں حضرت ابراہیم وحضرت یعقوب وحضرت اسحق کی قبریں ہیں۔ وادی جہنم جہاں حضرت مریم مدفون ہیں ایک افسوس ہے کہ بعض اتفاقات کی وجہ سے میں ان مقامات کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا مقام **خلیل** کے لئے جو بیت المقدس سے پندرہ بیس میل ہے۔ میں نے دو تین روز برابر کوشش کی۔ لیکن ان دونوں یہودیوں کا کوئی تیوہار تھا۔ اسلئے سواریاں بالکل ناپید تھیں اور ملتی بھی تھیں تو چوگنے کرایہ پر ملتی تھیں۔

قمامہ

یہ وہی قیامت زا مقام ہے جسکے لئے ایک زمانہ میں تمام یورپ اُمنڈ آیا تھا اور مدتوں تک یہ طوفان برپا رہا تھا۔ یہ ایک زمانہ وسیع گرجا ہے اور عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مقام میں مصلوب ہو کر مدفون ہوئے اور یہیں سے آسمان پر گئے اس مکان کا اہتمام وانتظام اگرچہ عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن چونکہ ٹرکی حکومت میں واقع ہے اور جیسا کہ اہل یورپ کے مقابلے میں صلاح الدین کی معرکہ آرائیوں کی یادگار ہے۔ اسلئے اسکا جواب یعنی کلید بردار مسلمان ہے چنانچہ میں جب اس گرجا میں گیا تو اُسی کی رہبری سے تمام مقامات کی سیر کی۔

مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ہر طرف بڑے بڑے رہبان اور قسیس نہایت خضوع وخشوع کیساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔ تو اب پہلے مجھکو اسی مقام پر لے گیا۔

جہاں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (عیسائیوں کے اعتقاد کے موافق) آسمان پر گئے ہیں ایک مختصر سا حجرہ ہے صدر کی جانب چبوترے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مورت ہے تمام بدن بجز ستر عورت کے برہنہ ہے۔ صورت سے کسی قسم کے تقدس اور شان نبوت کا اظہار نہیں ہوتا میں جب اس حجرہ میں گیا تو شمع روشن تھی اور ایک بڑا مشین پادری تصویر کی طرف ٹکٹکی باندھے مراقبہ میں مصروف تھا۔ مراقبہ سے فارغ ہو چکا تو مجاور نے اُسکے سر پر تھوڑا سا پانی چھڑکا جس کو اُس نے بڑے ادب اور خشوع سے اپنے چہرہ اور ڈاڑھی پر مل لیا۔

صلیب دیے جانے کی جگہ بھی شان و شوکت کی ہے لیکن اُسکو دیکھکر عیسائیوں کی سادہ دلی پر سخت افسوس آتا ہے۔

ایک بلند مستطیل چبوترے پر جو سرتاپا سنگ مرمر کا ہے صلیب کھڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہتھیلیوں میں آہنی کیلیں ٹھکی ہیں۔ پاؤں کو اوپر تلے لکڑی پر رکھکر اس طرح میخ ٹھونکدی ہے کہ پاؤں کو توڑکر لکڑی میں نکل گئی ہے اسی کے قریب ایک طرف حضرت مریم نہایت غمگین کھڑی ہیں۔ حضرت مریم کا مجسمہ یعنی اسٹیچو نہایت تناور سونے کی مورت ہے اور لباس کیساتھ بنائی گئی ہے۔ لباس پیشواز کے مشابہ ہے اس مقام پر بڑے بڑے رہبان اور قسیسوں کا مجمع تھا (راہبہ عورتیں) بڑے خضوع و خشوع سے صلیب کیطرف ٹکٹکی باندھے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں۔ مذہبی خیالات بھی کیا ہی عجیب چیز ہیں!!!

علما اور فضلا کی ملاقات اور بعض دیگر حالات

بیت المقدس کے مشہور اور نامور عالم سید طاہر ہیں جو مفتی شہر ہیں اور مفتی ہی کے نام سے مشہور ہیں چونکہ قسطنطنیہ میں میں نے ان کی تعریف سنی تھی۔ اس لئے بیت المقدس پہنچکر سب سے پہلے انہیں کی ملاقات کا قصد کیا۔ جوں ہی میں کمرے میں داخل ہوا مفتی صاحب اور تمام حاضرین تعظیم کو اُٹھے (یہ طریقہ یہاں عام ہے اور ہر شخص کے لئے برتا جاتا ہے) مزاج پرسی اور مختصر حالات پوچھنے کے بعد ایک صاحب نے پوچھا کہ

اہل مصر ہیں کسم من العلماء یعنی غالباً آپ علما میں سے ہیں میں نے کہا کہ "لا ولکن من طلاب العلم یعنی عالم تو نہیں البتہ طالب علم ہوں" وہ پہلے سے ایک علمی مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور میرے پہنچنے کی وجہ سے انکی صحبت برہم ہو گئی تھی جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ پڑھا لکھا ہوں تو ایک صاحب نے نہایت تہذیب اور معقولیت سے کہا کہ "ہم لوگ بھی ایک مسئلہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ مسئلہ آپکے سامنے بھی پیش کیا جائے" انکے خاص الفاظ یہ تھے یا حضرۃ الشیخ قد کنا قبل ذلک فی بحث فلو اجبتم عرضنا علیکم غرض انہوں نے وہ مسئلہ بیان کیا اور وہ یہ تھا کہ "قرآن مجید کی اس آیت میں کہ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل خدا نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ حالانکہ یہ واقعہ آنحضرت کی ولادت سے سیکڑوں برس پہلے واقع ہوا تھا" میں نے کہا کہ رویت کا اطلاق علم یقینی پر بھی ہوتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل عرب جاہلیۃ کے اشعار میں بھی یہ اطلاق جابجا موجود ہے ایک صاحب نے میری تقریر پر اعتراض کرنا چاہا۔ لیکن مفتی صاحب نے کہا یہ جواب بالکل صحیح ہے اور اسمیں جائے گفتگو نہیں ہیں جب تک بیت المقدس رہا قریباً ہر روز اس پرلطف صحبت میں شریک ہوتا رہا۔

مفتی صاحب تقدس اور شریفانہ اخلاق کی مجسم تصویر ہیں اور اسی کا اثر ہے کہ تمام شہر انکی نہایت عزت کرتا ہے۔ انکی تنخواہ کل تین سو قرش ہے یعنی تین پینتیس روپے لیکن شہر میں انکا جو اثر ہے وہ حاکم شہر کا بھی نہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ پرانے زمانے کے آدمی ہیں اور نہایت مقدس ہیں تاہم آزاد خیال ہے اور مذاق حال سے آشنا ہیں

لطیفہ۔ ان ممالک میں علما کو عمامہ یا ٹوپی پر ایک سفید دھجی جسکو لفہ کہتے ہیں باندھنا ضروری امر ہے۔ میں جس دن عمامہ کی سیر کو گیا میرے سر پر صرف ٹوپی تھی عمامہ نہ تھا

راہ میں جارہا تھا کہ ایک صاحب نے جو روشناس ہو گئے تھے دیکھ لیا۔ اور مفتی صاحب کے جلسے میں اسکا تذکرہ کیا۔ چونکہ وہاں کی رسم کے موافق یہ بالکل نئی بات تھی۔ لوگوں میں اس کے چرچے ہوئے۔ یہانتک کہ دوسرے دن جب میں مفتی صاحب کے دربار میں گیا تو ایک صاحب نے بڑے تعجب اور حیرت سے پوچھا کہ سمعنا ان حضرۃ الشیخ خرج من غیر لفۃ یعنی ہم نے سنا کہ جناب والا عمامہ لفہ کے بغیر بازار میں نکلے "میں نے کہا" ہاں میں عیسائیوں کے گرجے میں گیا تھا اور ایسے مقامات کے لئے عالمانہ لباس موزوں نہیں ہے۔ سب بول اٹھے کہ واللہ قد اصبتم یعنی آپنے بالکل بجا کیا۔

ایک دن میں بخارا والوں کے زاویہ میں گیا۔ اتفاق یہ کہ اسی دن بخارا کے چند رئیس اور معزز لوگ حج سے پھر کر بیت المقدس کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ زاویہ نے مجھکو ان لوگوں سے ملایا۔ صورت اور وضع سے دولتمند اور محترم اور موقر معلوم ہوتے تھے۔ بعض صاحب علم اور فقیہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ **روس** کی حکومت میں رہتے ہیں۔ میں ان سے وہی گورنمنٹ کے متعلق گفتگو کرتا رہا بہت شکایت کرتے تھے اور زیادہ تر اس بات کے شاکی تھے کہ مسلمان بجبر فوج میں داخل کئے جاتے ہیں اور کسی اسلامی حکومت سے جنگ پیش آتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے ہی ہم مذہبوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

بیت المقدس سے روانگی

بیت المقدس سے روانہ ہوکر میں یافہ میں آیا۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوکر تیسرے دن اسکندریہ پہنچا۔ جہاز کا لنگر کرنا تھا کہ قلیوں اور ملاحوں کی مصیبت کا سامنا ہوا یہ آفت یوں تو ہر جگہ ہے۔ لیکن اسکندریہ کو اس خصوصیت میں تمام مقامات پر ترجیح ہے۔ بہزار خرابی کنارے پر پہنچا۔ وہاں قلیوں کا ہجوم تھا اور ایک ایک مسافر پر چار چار گرتے پڑتے تھے۔ ایک قلی نے زبردستی میرا اسباب اٹھا لیا۔ مجبوراً میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسکندریہ نہایت قدیم زمانے کی یادگار ہے اور اس لحاظ سے اسکی سیر ضروری

تھی بیلن مجھ کو قاہرہ جانے کی جلدی تھی۔ اس لیئے میں نے اُسی وقت گاڑی کرایہ کی اور اسٹیشن پہنچا۔ لطف یہ کہ قلی صاحب بھی گاڑی پر بیٹھ لیئے اور میرے پہلو بر بیٹھے میری کیا مجال تھی کہ اُنکی اس جسارت پر معترض ہوتا۔

دریا کے کنارے سے اسٹیشن تک شہر کا جو حصہ نظر سے گذرا نہایت آباد اور پر رونق تھا۔ سڑکیں وسیع اور دونوں طرف نہایت بلند مکانات اور دوکانیں تھیں اسٹیشن پر پہنچکر معلوم ہُوا کہ ابھی دو تین گھنٹے کی دیر ہے۔ میں نے کہا لاؤ جب تک ادسر اُدھر پھر آؤں پاس ہی ایک جامع مسجد تھی وہاں گیا۔ نہایت شاندار اور خوبصورت ہے، وضو کرنے کا حوض وسیع اور خوشنما ہے۔ گرد استنجاخانے اور پاخانے ہیں۔ لیکن صفائی کا اسقدر اہتمام ہے کہ بو اور رائحہ کا نام تک نہیں۔

دس بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ یہاں کی گاڑیوں میں بجائے بنچوں کے آہنی کرسیاں ہوتی ہیں اور دو دو اسطرح ساتھ جڑی ہوتی ہیں کہ دونوں کی پشت ملی ہوتی ہے۔ ہر درجے میں آٹھ آدمیوں کی نشست ہوتی ہے۔ چار ایک طرف چار ایک طرف۔ سونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ رفع حاجت کا بھی کوئی بندوبست نہیں۔ دریافت سے معلوم ہُوا کہ یورپ میں بھی اسی قسم کی گاڑیاں ہیں۔ البتہ ایک بات نئی ہے اور آرام سے خالی نہیں۔ وہ یہ کہ گاڑی ہی میں خوانچے والے جو بسکٹ۔ ڈبل روٹی۔ پنیر۔ اور میوے بیچتے ہیں۔ ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چونکہ تمام گاڑیوں میں اس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت ہو سکتی ہے خوانچہ والا ہر وقت پھرتا رہتا ہے اور تمام گاڑیوں میں چکر لگاتا ہے۔

سید صاحب نے اپنے سفرنامے میں یہاں کی ریل کے کارخانے۔ سڑک۔ اسٹیشن لالٹینوں۔ غرض ہر ایک چیز کی نسبت بے سلیقگی اور میلے پن کی سخت ہجو کی ہے اُسوقت یہی حالت ہوگی۔ لیکن اب یہ شکایت نہیں ہو سکتی میں نے اسکندریہ سے قاہرہ اور قاہرہ سے اسمٰعیلیہ تک ریل میں سفر کیا۔ میرے نزدیک کوئی چیز قابل اعتراض نہ تھی

اس سفر میں جسقدر حصہ مصر کا میری نظر سے گزرا عجب سرسبز و شاداب تھا جہانتک نگاہ جاتی تھی نہایت سرسبز کھیتیاں نظر آتی تھیں۔ اسکندریہ سے قاہرہ تک جس قسم کی عمدہ پیداوار نظر آئی میں نے ہندوستان میں پچاس ایکڑ زمین بھی ایسی نہیں دیکھی۔ ریل شام کے قریب قاہرہ پہنچی اور میں نے جامع ازہر کے قریب ایک لوکانده (ہوٹل) میں قیام کیا۔

بیروت میں عبد الباسط آفندی نے مجھکو ایک خط دیا تھا کہ قاہرہ پہنچکر شیخ عبد الحلیم کے پاس بھجوا دینا۔ شیخ عبد الحلیم۔ عبد الباسط آفندی کے چچیرے بھائی ہیں اور جامع ازہر میں پڑھتے ہیں۔ میں نے وہ خط اُنکے پاس بھجوا دیا۔ وہ دوسرے دن ہوٹل میں تشریف لائے اور کہا کہ "اگر آپ کو یہاں کے علمی حالات دریافت کرنے ہیں اور علما اور شیوخ سے ملنا ہے تو ہوٹل میں ٹھیرنا مناسب نہیں۔ یہاں علما اسکو بہت معیوب سمجھتے ہیں" چنانچہ انکی ہدایت کے موافق میں جامع ازہر میں گیا اور انہوں نے رواق الشامئین میں ایک پرفضا حجرہ میرے لئے خالی کرا دیا۔ ایک مہینے سے زیادہ میں یہاں مقیم رہا شیخ عبد الحلیم قریباً ہر وقت میرے پاس ..... رہتے تھے اور میری تمام ضرورتوں کو انجام دیتے تھے۔ وہ میرے رہنما تھے معرّف۔ اور اگر گستاخی نہ ہو تو نوکر اور خادم بھی تھے۔ اور نوکر بھی بے تنخواہ بے غرض۔

قاہرہ کا اجمالی حال

یہ شہر مصر کا دار السلطنت ہے بلکہ حال کے محاورہ میں مصر کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو یہی شہر مراد ہوتا ہے۔ جوہر۔ سپہ سالار فاطمین نے ۳۵۸ھ میں اس کو آباد کرایا تھا اور اُس عہد سے آج تک اسکو روز افزوں ترقی ہے۔ موجودہ مردم شماری ۳۷۴۸۳۸ ہے۔ سڑکیں وسیع اور مکانات عموماً بلند اور خوش فضا ہیں۔ میں جب اُسکے وسیع اور پر رونق بازاروں میں سیر کرتا پھرتا تھا تو بمبئی کا دھوکا ہوتا تھا۔ قہوہ خانے نہایت کثرت سے ہیں اور بڑی تفریح اور آرام کی چیز ہیں۔ لباس اور وضع یہاں کی

نہایت بھونڈی اور ناموزوں ہے۔ عوام نیلگوں لمبا کرتہ پہنتے ہیں۔ جسکا چاک کھلا رہتا ہے۔ پا یجامہ تہمد وغیرہ بالکل نہیں پہنتے۔ خواص قفطان اور عبا پہنتے ہیں لیکن چونکہ عبا میں بٹن نہیں ہوتا گردن کھلی رہتی ہے اور بدنما معلوم ہوتی ہے۔ نئے تعلیم یافتہ کوٹ پتلون کا استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ روز بروز زیادہ معقول ہوتا جاتا ہے عورتوں کی وضع اور لباس اس قدر بیہودہ اور بدنما ہے کہ اس سے زیادہ قیاس میں نہیں آسکتا عام عورتیں تو وہی نیلگوں لمبا کرتہ پہنتی ہیں۔ لیکن دولتمند اور نئی فیشن کی بیگمات جنکا لباس بالکل یوروپین ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک بدنما نیلگوں برقع اوڑھ کر بیچا۔ یا ہوا بنجاتی ہیں برقع میں ناک کی جڑ سے سینے تک ایک سیاہ دھجی سونڈ کی طرح لٹکتی رہتی ہے۔ اس دھجی کے اٹکانے کے لئے سونے یا پیتل کی ایک نلکی ہوتی ہے جو پیشانی پر لٹکتی رہتی ہے اور بجائے زیور کے استعمال کیجاتی ہے۔

عام آدمیوں کے اخلاق میں دنارت زیادہ پائی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز کی قیمت چکانے میں حضرت امام حسین علیہ السلام یا حضرت عبدالقادر جیلانی کا واسطہ دلایا جاتا ہے۔ مرد اور عورت بکثرت بھیک مانگتے ہیں اور بلا کیطرح لپٹ جاتے ہیں موسم کے لحاظ سے یہ ملک ہمارے ہندوستان کے مشابہ بلکہ اس سے بدتر ہے کچھ عجیب طرح کی گرمی پڑتی ہے۔ طبیعت ہر وقت مضمحل اور سست رہتی ہے۔ اور کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مجھ کو خیال تھا کہ میں یہاں بہت کام کرسکوں گا۔ اور اسی وجہ سے بیروت و بیت المقدس میں کم قیام کیا تھا کہ یہاں زیادہ دنوں تک رہ سکوں۔ لیکن گرمی نے وہ تمام منصوبے غلط کر دیئے۔ صبح کے وقت گھنٹہ دو گھنٹہ کام کرتا تھا باقی تمام دن حجرے میں بیکار پڑا رہتا تھا۔

مصر

میں

تعلیم کی حالت

ممالک اسلامیہ میں جو مقامات آج کل تعلیم کے مرکز خیال کئے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور قاہرہ ہیں۔ اسی لحاظ سے میں نے ان دونوں مقاموں کی تعلیمی حالت دریافت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی۔ قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی سررشتہ تعلیم کے عہدہ داروں سے ملا۔ سالانہ رپورٹیں پڑھیں۔ متعدد کالجوں کے پروگرام دیکھے۔ بڑے بڑے کالجوں میں خود جاکر اساتذہ کا طریق درس دیکھا۔ ان تحقیقات سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان کو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ اگرچہ قسطنطنیہ میں تعلیم کو جو وسعت اور ترقی حاصل ہے مصر اور قاہرہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں تاہم مصر کو اس بات میں ترجیح حاصل ہے کہ یہاں سررشتہ تعلیم کے کاغذات جو عام طور پر شائع ہوتے ہیں۔ زیادہ مرتب اور مفصل ہیں۔ اور اس لئے میں قسطنطنیہ کی بہ نسبت یہاں کی تعلیمی حالت زیادہ تفصیل اور تحقیق کے ساتھ لکھ سکونگا۔

قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی تعلیم کے دو طریقے ہیں قدیم و جدید۔ یہ دونوں طریقے بالکل مختلف ہیں۔ اور اس اختلاف نے دونوں کو نہایت سخت نقصان پہنچایا ہے۔ قدیم تعلیم جو ہزار برس پیشتر کی تعلیم کا بگڑا ہوا خاکہ ہے۔ ملک کی آب و ہوا میں سرایت کر گئی اور چونکہ وہ مذہب کے پیرایہ میں ہے سلطنت کا اثر بھی اُسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مصر میں اگرچہ ایک مدت سے جدید تعلیم کی بنیاد پڑ چکی ہے اور خود گورنمنٹ نے اسکو خاص اپنے سایۂ حفاظت میں لیا ہے۔ بہت سے لڑکوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے۔ تاہم بہ نسبت قدیم کے کچھ بھی نہیں لیجاتی۔ تمام بڑے بڑے عہدے صرف تعلیم

یافتہ لوگوں کو ملتے ہیں - یہ سب کچھ ہے تاہم وسعت تعلیم کا یہ حال ہے کہ شہر و اطراف کے تمام چھوٹے بڑے اسکولوں اور کالجوں کو ملاکر طالب علموں کی تعداد دس ہزار بھی نہیں ہے حالانکہ قدیم طریقے پر تعلیم پانیوالے صرف جامع ازہر میں دس ہزار سے زیادہ ہیں اسقدر ضرور ہے کہ جدید تعلیم کا ہر قدم آگے ہے اور قدیم طریقے کا زور روز بروز گھٹتا جاتا ہے - سرکاری مدرسوں میں ہر قسم کے طلبا کی تعداد جو ہر سال بڑھتی جاتی ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں بورڈوں کی تعداد فیصدی ۴۷ تھی - اور ۱۸۸۹ء میں ۵۶ ہوگئی - اسی طرح غیر بورڈر ۱۸۸۷ء میں ۷۱ فیصدی تھے - اور ۱۸۸۹ء میں ۷۹ ہوگئے -

ہم اس موقع پر ایک اجمالی نقشہ دیتے ہیں جو ۱۸۸۸ء کی رپورٹ سے مرتب کیا گیا ہے اور جس سے تمام اسکولوں اور کالجوں کی تفصیل اُنکے سالانہ مصارف، طالب علموں کی تعداد اور دیگر حالات معلوم ہوں گے ◆

نام مدرسہ	مصارف سالانہ ۱۸۸۸ء	تعداد طلبا موجودہ ۱۸۸۸ء	تعداد طلبا جو فیس دیتے تھے	مقدار فیس	اقل فیس	جن کو ملازمت ملی	کیفیت
مدرستہ الطب	۸۴۱۲ پونڈ	۱۸۲	۷۹	سالانہ ۴ پونڈ	۴۷	۲۲	پونڈ کم از کم ۵
مدرستہ الولادۃ	۸۱۶	۱۱	◆	◆	۱۱	◆	روپیہ کا [illegible]
مہندس خانہ	۴۱۴۰	۳۳	۷	۱۵ پونڈ	۱۲	۱۸	
مدرستہ الحقوق یعنی قانون کا مدرسہ	۴۱۴۲	۶۲	۲۷	۱۵	۱۵	۱۱	
دار العلوم	۱۵۲۶	۳۱	◆	◆	۱	۳۷	... جب اس کالج کو ... ۴ طالب العلم تھے

مدرسۃ الترجمہ	١٤٣٥	٣٠	—	—	—	٢٠٠	٢	
مدرسۃ الصنائع	٧٨١٩	٢٥٠	١٢	٦	٢٦٠	〃	
التوفیقیہ	٤٤١٨	٢٨٨	داخلیہ ٢٥ خارجیہ ٢٢١	٢٠ ١٢	٣	١٥	داخلیہ سے بورڈر خارجیہ سے غیر بورڈر مراد ہیں
التجہیزیہ	٧٧٥٤	٣٣٠	داخلیہ ٥٢ خارجیہ ٦٠	١٦ ٨	١٨٥	〃	
مبتدیاں	٤٢٨٣	٢٥٨	داخلیہ ٦٩ خارجیہ ٨١	١٤ ٦	١١٩	〃	
اسکندریہ	١٣٦٨	٢١٤	١٠٩	١	٧٩	〃	
المنصورہ	١٢٩٤	١٤٣	٨٠	١	٧١	〃	

ان سرکاری مدرسوں کے سوا ٢٠١ پرائیویٹ اسکول ہیں جنکا طریقۂ تعلیم اور کورس بالکل سرکاری مدرسوں کے مطابق ہے اور امتحانات وغیرہ بھی سررشتۂ تعلیم کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ ١٨٩٠ء میں ان اسکولوں کا خرچ سالانہ ٨٢٢٣٣ پونڈ تھا جو کم وبیش ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ طالبعلموں کی تعداد ١٨٨٨ء میں ٢٣٦٣ تھی مدارس اور طالبعلموں کی تعداد ہر سال ترقی کرتی جاتی ہے چنانچہ ١٨٩١ء میں پرائیوٹ اسکولوں کی تعداد ٢٠١ سے ١٢٠١ ہوگئی جسمیں دس ہزار تیرہ سو طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ اسی طرح اس سنہ میں سرکاری مدارس کے طالب علموں کی تعداد ٢٠٧ اور فیس کی آمدنی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔[٥]

[٥] خدیو حال کو تعلیم کی ترقی کا نہایت خیال ہے چنانچہ سنہ حال یعنی ١٨٩٢ء کے اُس اجلاس میں جسمیں سلطنت کا بجٹ پیش ہوا تھا۔ خدیو موصوف نے خاص تعلیمات کے محکمہ کے متعلق جو گفتگو کی اسکے بعض فقرے یہ تھے "سررشتہ تعلیم کی وسعت اور ترقی کی نہایت ضرورت ہے" چنانچہ میں اس سال رقم سابق پر بارہ ہزار پونڈ (قریباً دو لاکھ روپے) کا اضافہ منظور کیا۔ تعلیم کیطرف لوگوں کا میلان جتنا بڑھ رہا ہے چنانچہ اس سال بہ نسبت اور سالوں کے پندرہ سو لڑکے کالجوں اور اسکولوں میں زیادہ داخل ہوئے

مصر[1] کی اصطلاح میں تعلیم کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں۔
ابتدائی جس میں چار صفیں ہیں اور اُس کی کل خواندگی ہمارے یہاں کے مڈل کلاس کی برابر ہے۔
تجہیزی[2] ابتدائی کے بعد شروع ہوتی ہے۔اس میں پانچ کلاسیں ہیں اور اُس کی خواندگی ہمارے یہاں کے انٹرنس کی برابر ہے۔
خصوصی[3]۔یعنی لا کلاسس اور دار العلوم وغیرہ
مدارس تجہیریہ میں فرنچ یا انگریزی کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ۱۸۹۹ء سے یہ قاعدہ قرار دیا گیا ہے۔کہ ان مدرسوں میں۔تاریخ جغرافیہ علوم طبیعۃ لازمی طور پر فرنچ یا انگریزی زبان میں پڑھائی جائیں۔ان زبانوں کی ترقی کے لئے سررشتہ تعلیم نے یہ حکم جاری کیا کہ بھی تعلیم صرف یورپین پروفیسروں کے ذریعے سے دلائی جائے اس سے پہلے چونکہ فرنچ کا اثر زیادہ تھا۔اس لئے فرنچ پڑھنے والے طلبا کی تعداد زیادہ تھی چنانچہ ۱۸۸۹ء میں انکی تعداد ۲۵۰۰ تھی اور انگریزی خوان صرف ۸۰۰ تھے۔لیکن اب انگریزی خوانوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ ہے اور فرنچ پڑھنے والوں کی تعداد قریباً وہی ہے جو ۱۸۸۹ء میں تھی۔
اب ہم بڑے بڑے کالجوں اور بعض اسکول کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں

دار العلوم

مصر اور نہ صرف مصر بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں جو کالج مجھ کو سب سے زیادہ پسند آیا۔اور
« صنعت کے جو مدرسے بند ہو گئے تھے میں نے دوبارہ اُنکے جاری ہونیکا حکم دیا۔
علی پاشا کی وہ یادداشت جس میں اُنھوں نے پانسو ابتدائی مکتبوں کا دیہات قصبات میں کھولا جانا تجویز کیا تھا۔
میں نے اسکی طرف توجہ مائل کی ہے اور میں اس تجویز کو بالکل پورا کرنا چاہتا ہوں»۔
« بہرحال آپ لوگ تعلیم کیطرف سے مطمئن رہئے۔میں اس صیغہ کو بہت قوت دونگا»۔

جسکو میں نے مسلمانوں کے درد کے لئے کافی سمجھا وہ یہی کالج ہے - میرا ہمیشہ یہ خیال ہے اور میں نہایت مضبوطی سے اُس پر قائم ہوں - کہ مسلمان مغربی علوم میں گو ترقی کے کسی رتبے تک پہنچ جائیں - لیکن جب تک اُن میں مشرقی تعلیم کا اثر نہ ہو - اُن کی ترقی مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جا سکتی - بے شبہہ مشرقی تعلیم کی جو موجودہ اسکیم ہے - وہ نہایت ابتر اور غیر ضروری ہے - لیکن اسی تعلیم میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو مسلمانوں کی قومیت کی روح ہیں اور جس تعلیم میں اس روحانیت کا مطلق اثر نہ ہو - وہ مسلمانوں کے مذہب قومیت - تاریخ - کسی چیز کو بھی زندہ نہیں رکھ سکتی -

جس مصیبت کا ہندوستان میں رونا ہے - وہی قسطنطنیہ - بیروت اور مصر میں بھی موجود ہے - یعنی نئی تعلیم میں قومیت اور مذہبی پابندی کا اثر کم ہے - اور پرانی تعلیم اس قابل نہیں کہ دنیا کی موجودہ ضرورتوں کا ساتھ دے سکے - صرف ایک یہ دارالعلوم ہے جو دونوں ڈانڈوں کو ملانا چاہتا ہے - اگرچہ افسوس ہے کہ ابھی پورا کامیاب نہیں ہوا -

اس کالج کا اول جسکو خیال آیا وہ **علی پاشا مبارک** مصر کا ایک مشہور روشن ضمیر ہے اس نے خود مشرقی اور مغربی تعلیم دونوں حاصل کی ہیں اور یورپ کی متعدد زبانیں جانتا ہے وہ کئی دفعہ مصر کی سررشتہ تعلیم کا افسر رہ چکا ہے - اسکی تاریخی تصنیفات تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی ہوئی ہیں - اور درحقیقت نہایت مفید ہیں - اُس نے جامع ازہر کی طرز تعلیم کی بھی اصلاح کرنی چاہی تھی - لیکن ازہر کے شیوخ راضی نہ ہونے غالباً اس کے بعد اُس نے اُس کالج کی بنیاد ڈالی -

اول اول اس کالج کا ظاہری مقصد یہ قرار دیا گیا کہ اسکے تعلیم یافتہ - مدارس سرکاری کی مدرسی کے لئے انتخاب کئے جائیں - لیکن ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ کی اجازت کے مطابق سررشتہ تعلیم نے یہ قاعدہ منظور کیا کہ اسکے سند یافتہ جج اور قاضی و مفتی مقرر ہو سکیں اسکے ساتھ کورس میں اور متعدد علوم اضافہ کئے گئے اور ایک کمیٹی نے جسکا پریسیڈنٹ

جامع ازہر کا شیخ الشیوخ تھا۔ اسکے کورس کے لئے کتابیں منتخب کیں۔

اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرط یہ ہے۔ کہ طالب علم مشرقی علوم یعنی نحو۔ صرف۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ تفسیر۔ حدیث میں مناسب استعداد رکھتا ہو۔

تعلیم کی کل مدت چار برس ہے اور جو علوم پڑھائے جاتے ہیں اور جس طرح ہر ہفتہ میں اُن کے درس مقرر کئے گئے ہیں اُن کی تفصیل نقشہ ذیل سے معلوم ہوگی۔

علوم جو پڑھائے جاتے ہیں	پہلا سال	دوسرا سال	تیسرا سال	چوتھا سال
فقہ	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق	ہفتہ میں ۵ سبق
تفسیر	÷	÷	۲	۲
تاریخ طبیعی	۲	۲	÷	÷
علوم بلاغت	۲	۲	÷	÷
اُصول فقہ	÷	÷	۲	۲
حکمۃ عملیہ	۱	÷	÷	÷
جبر و مقابلہ و حساب	۴	۴	۴	۴
جغرافیہ	۲	۲	۲	۲
تاریخ عمومی	۱	۱	۱	۱
فن انشائی عربی	۳	۳	۴	۴
مختلف خطوط	۴	۴	۴	۴
تصویر کشی	۱	۱	÷	÷
ادبیات لغت عربیہ	÷	÷	۳	۳
تقویم بلدانی	÷	÷	۱	۱
طبیعات و کیمیا	÷	÷	۲	۲
حدیث۔ کلام۔ منطق	÷	۲	۱	÷
نحو صرف۔ رسم خط عروض۔ قوافی	۳	۲	÷	÷

چونکہ اس کالج میں وہی طلبا داخل ہوسکتے ہیں جو علوم عربیہ اور فقہ و حدیث سے واقف
ہوں اور اس قسم کے طلبا وہی ہوسکتے ہیں جنہوں نے قدیم طریقے پر تعلیم پائی ہے اسلئے
کالج میں طالب علموں کی تعداد بہت کم ہے۔ اگرچہ سررشتہ تعلیم نے اسی لحاظ سے
اس کالج میں کچھ فیس نہیں مقرر کی بلکہ بجائے اسکے ہر طالب علم کو پندرہ روپیہ ماہوار
وظیفہ ملتا ہے ایک وقت کا کھانا بھی کالج ہی سے ملتا ہے۔ طالبعلموں کے لئے جو
لباس مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہی قدیم مولویانہ لباس ہے۔ جو لوگ یہاں سے تعلیم پاکر نکلتے
ہیں۔ اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن جن لوگوں کو پرانی
تعلیم نے ایک دفعہ بھی چھو لیا تمام عمر کے لئے انکو علوم جدیدہ سے وحشت ہو جاتی ہے
حالانکہ یہ علوم عربی ہی زبان میں تعلیم دیئے جاتے۔ میں نے جب اس کالج کو دیکھا
تو اس میں ۴۵ طالب علم تھے۔ جن میں سے اکثر جامع ازہر کے تعلیم یافتہ تھے۔
درس کا طریقہ بھی یہاں خاص ہے۔ استاد یا شاگرد کسی کے ہاتھ میں کتاب نہیں
ہوتی۔ استاد زبانی لکچر دیتا ہے اور اس وسعت اور فصاحت سے تقریر کرتا ہے کہ خود دل
پر نقش ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے مصر کے نہایت نامور علما اسکی پروفیسری کے
لئے انتخاب کئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ حمزہ فتح اللہ پروفیسر ادب۔ شیخ حسن الطویل معلم الحدیث
ڈاکٹر عثمان بک پروفیسر تاریخ طبعی یہ سب مصر کے مشہور علما ہیں اور انکی تصنیفیں نہایت
قدر کے قابل خیال کیجاتی ہیں مصر میں آج جو لوگ عربی کے نامور انشا پرداز ہیں اکثر
اسی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ادب کا جو کورس مقرر کیا گیا ہے وہ کوئی خاص
کتاب یا چند کتابوں کا انتخاب نہیں ہے۔ بلکہ عربی لٹریچر کے وہ تمام نادر حصے جنکو
فن ادب کی جان کہنا چاہیئے۔ اسی طرح تفسیر میں صرف اُن آیتوں کا درس ہوتا
ہے جو بلحاظ بلاغت یا اخلاق یا مسائل کلام۔ زیادہ مہتم بالشان ہیں چنانچہ ۱۸۹۰ء
میں جو نصاب تعلیم مقرر کیا گیا اسمیں ان تمام مقامات کی تفصیل کر دی گئی ہے اور وہ

مہر بکار ۲ (مطبع ہندیہ) چھپ کر شایع ہو گیا ہے۔

ادب اور فقہ کے درس میں میں خود بھی شریک ہوا تھا۔ دونوں پروفیسروں نے جس فصاحت اور خوبی سے تقریر کی اب تک میرے دل میں نقش ہے کاش ہمارے یہاں کے علما بھی اس طریقے کی تقلید کرتے۔ طالب علموں کی استعداد کا حال اس سے ظاہر ہوگا کہ جس وقت ہم کالج کی سیر کر رہے تھے۔ احمد بیک ناظم نے جو کالج کے سکرٹری ہیں ایک طالب العلم کو جس کا نام احمد توفیق تھا بلایا اور اس سے کہا کہ قلم دوات لیکر بیٹھ جاؤ۔ اور اسی وقت انکی شان میں (میری طرف اشارہ کر کے) کچھ اشعار لکھو۔ وہ سامنے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور یہ اشعار لکھکر سنائے۔

محمد ابن شبلی النعمانی	لقد نشت الورى وعلوت قدرا
وقد اولیتنا شرفا وفضلا	بتشریف زیادة ارض مصرا
فلا زلنا نزلت بجلل الثنی	تزید تفضلا ونزید شکرا

اگرچہ شبلی المعانی کی ترکیب نئے جوڑ ہے اور دوسرے شعر میں اقواء ہے تاہم خوبی زبان و برجستگی ادا کے لحاظ سے ہیں نے بہت داد دی۔

مدرسۃ الحقوق

اس کالج میں قانون کی تعلیم ہوتی ہے اور یہاں کے سند یافتہ سول عہدوں پر مامور ہوتے ہیں۔ اس کالج میں داخل ہونے کی ضروری شرطیں یہ ہیں کہ طالب علم کی عمر ۱۶ برس سے زیادہ ہو۔ تجہیزی تعلیم (انٹرنس کلاس) کی سند رکھتا ہو۔ چال چلن اچھا ہو۔ بچپن کا ٹیکا لگوا چکا ہو۔ تندرستی اچھی ہو۔ داخلہ کے وقت ایک قسم امتحان تحریری و تقریری لیا جاتا ہے۔ تحریر میں فرنچ اور عربی کی زباندانی کے متعلق سوالات ہوتے ہیں اور تقریر میں ان کے علاوہ تاریخ و جغرافیہ بھی داخل ہے اس امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اسکو اپنے باپ یا کسی مربی کا ایک خط پیش کرنا ہوگا

ہے جسکے یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ "کالج کے خارج اوقات میں میں اس لڑکے کے چال
دچلن کا ذمہ وار ہوں"۔ ان تمام باتوں کے بعد ۱۵ پونڈ یعنی کم وبیش دو سو روپے
بطور فیس کے داخل کرنے ہوتے ہیں اور اسوقت طالب علم کالج میں داخل کرلیا
جاتا ہے۔ تعلیم کی مدت چار برس ہے اور مضامین جو تعلیم میں داخل ہیں۔ حسب
ذیل ہیں۔

سال اول۔ عربی۔ فرنچ۔ ترجمہ۔ مسک دفاتر (یعنی املا و تحریر) شریعت اسلامیہ
قانون قضا و عدالت۔ عام قانون اور پالیٹکس کے اصول عام۔

سال دوم۔ علاوہ مضامین بالا کے رومن لا۔ قانون فوجداری۔

سال سوم ایضاً " پولٹیکل اکونمی۔ تعزیرات۔ مرافعات۔ مدینہ و تجاریہ

سال چہارم۔ شریعت اسلامیہ۔ پولٹیکل اکونمی۔ مرافعات۔ قانون تجارت قانون
عدالت خاص سلطنت کا قانون

ہر سال مختلف مضامین میں امتحان لئے جاتے ہیں اور یہ تمام امتحانات او
اخیر امتحان فرنچ زبان میں ہوتا ہے۔ صرف شریعت اسلامی کا امتحان عربی زبان میں
ہوتا ہے۔ طالب علموں کو جب کسی قدر قانونی استعداد حاصل ہوجاتی ہے تو ہائیکورٹ اور
دوسری عدالتوں میں کارروائی سے واقف ہونے کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور حکم
ہوتا ہے کہ مقدمات کا خلاصہ لکھیں۔ خود کالج میں بھی عدالت کی مسلیں منگائی جاتی
ہیں اور طالبعلموں سے انکے متعلق تحریر دعویٰ بیانات تحریری۔ ادائے شہادت
سوالات جرح۔ اور فیصلہ مقدمہ کی مشق کرائی جاتی ہے۔ میں نے اس کالج کی اچھی طرح
سیر کی۔ کالج کا سکرٹری ایک فرنچ ہے۔ وہ تو عربی سے بالکل ناواقف ہے لیکن
اسکا نائب ایک نوجوان مسلمان ہے جو نہایت لائق شخص ہے اور متعدد زبانیں جانتا
ہے وہ کالج کا پروفیسر بھی ہے اور فرنچ زبان میں نہایت برجستگی سے لکچر دیسکتا ہے

مجھ کو اپنے کلاس میں لے گیا اور کہا آج فرنچ میں لکچر دینے کا دن تھا لیکن میں تمہاری خاطر سے عربی میں لکچر دونگا۔ چنانچہ تعزیرات کے اصول پر کھڑے ہو کر لکچر دیا اور نہایت فصاحت اور وسعت سے تقریر کی۔ تمام کلاسوں میں جسقدر لڑکے تھے۔ پاکیزہ صورت اور پاکیزہ لباس تھے اور اُنکے چہروں سے متانت اور وقار ٹپکتا تھا۔

مدرسۃ الترجمہ

مصر میں چونکہ فرنچ اور انگریزوں کا بہت اثر ہے اور تمام بڑے بڑے ملکی عہدے انہیں دونوں قوموں کے ہاتھ میں ہیں مصریوں کو اُنکے ساتھ تعلق رکھنے اور اُنکی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے فرنچ اور انگریزی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ اس کالج کے قائم کرنے کی اصلی غرض اسی قدر تھی اور اسی وجہ سے ابتدا میں وہ زباندانی کی تعلیم پر محدود تھا اور ایک معمولی اسکول کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ۱۸۸۸ء میں اُسکی اسکیم بہت وسیع کر دی گئی اور چار پروفیسر اور بڑھائے گئے جنمیں ایک فرنچ ہے۔ عربی۔ ترکی فرنچ۔ انگریزی۔ زبانوں کے علاوہ مضامین ذیل کی تعلیم بھی ضروری قرار دیگئی۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ حساب۔ ہندسہ۔ جبر۔ علوم طبیعہ۔ کیمیا۔ فقہ۔ توحید۔ یہ تمام مضامین بجز فقہ و توحید کے فرنچ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بعض مضامین انگریزی زبان میں بھی اس کالج نے جسطرح مصر کو ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے فائدہ پہنچایا ہے علمی ترقی کے لئے بھی وہ نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ مصر کی علمی زبان ابتک عربی ہے۔ اور غالباً ہمیشہ رہیگی۔ کالجوں میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ عموماً فرنچ سے ترجمہ کیگئی ہیں ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ فرانس میں ڈاکٹری وغیرہ کی جو نئی عمدہ تصنیف شائع ہو فوراً ترجمہ کیجائے۔ اور کالجوں کے کورس میں داخل کیجائے چنانچہ اسوقت تک سیکڑوں کتابیں ترجمہ ہو گئیں۔ اور ہوتی جاتی ہیں۔ ان تمام ضرورتوں کو صرف اسی کالج نے پورا کیا ہے۔

مدرسۃ الطب

یہ بہت بڑا کالج ہے اور اسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ کالج کی عمارت نہایت وسیع ہے۔ اور مختلف مضامین کی تعلیم کے لئے کثرت سے جداگانہ بڑے بڑے کمرے مخصوص ہیں۔ تشریح کے لئے تجربے عمل میں آتے ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں میں میکر و جراحی کی تعلیم کے لئے ان کے متعلق جداگانہ کارخانہ کھولا گیا ہے علم الحیوانات کی تعلیم ایک وسیع مکان میں ہوتی ہے جسمیں مختلف قسم کے جانور نہایت کثرت سے موجود ہیں۔ کالج کے احاطہ میں ایک باغ ہے جو علم نباتات کی غرض سے تیار کیا گیا ہے، اور اُس میں سینکڑوں مختلف اقسام کے نبات ہیں جنکی پرداخت نہایت اہتمام و نگرانی کیجاتی ہے علم الکیمیا بھی اسکی تعلیم کا ضروری جزو ہے ۱۸۸۶ء تک اسکی تعلیم صرف نظری طریقے پر ہوتی تھی ۱۸۸۶ء میں عملی تجربوں کے لئے کالج کی عمارت میں متعدد بڑے بڑے کمرے اور اضافہ کئے گئے اور ۱۸۸۸ء میں گیس وغیرہ اور جو چیزیں عملی تجربے کیلئے ضرور تھیں۔ اُسمیں مہیا کی گئیں۔ ہر سال اس کالج سے ایک گروہ کثیر تعلیم پاکر نکلتا ہے جنمیں سے بعض تکمیل تعلیم کے لئے یورپ بھیجے جاتے ہیں۔

تمام کتابیں جو اس کالج کی نصاب تعلیم میں داخل ہیں عربی زبان میں ہیں اور فرنچ وغیرہ سے ترجمہ کیگئی ہیں۔ چونکہ یورپ میں ہمیشہ اور علوم و فنون کیطرح علم طب بھی روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے اور ہر سال اُسکے مسائل میں بہت سی نئی معلومات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے ایک کمیٹی خاص اس غرض سے مقرر ہے کہ اس قسم کی جو کتاب فرنچ وغیرہ میں شائع ہو اسی وقت عربی زبان میں ترجمہ کرلیجائے اور اس کالج کے کورس میں داخل کیجائے۔ اس طریقہ سے علم طب کے متعلق ترجمہ شدہ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تیار ہوگیا ہے۔ جسکی تعداد کتبخانہ خدیو کی فہرست سے معلوم ہوسکتی ہے۔ مصر کے علمانے بہت سی کتابیں اس فن میں خود بھی تصنیف کی ہیں۔ اور یونانی

ڈ موجودہ طبابت میں محاکمہ بھی کیا ہے - کاش کہ ہمارے ملک کے اطبا جو انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے یورپ کی تحقیقات سے محروم ہیں - ان جدید تصنیفات کو بہم پہنچاتے ہیں - اور اُن سے مستفید ہوتے - لیکن ہماری قوم میں یہ ہمت کہاں! حالانکہ سچ پوچھیے تو کچھ ہمت کی بات بھی نہیں -

اس کالج میں کل ۵ ا پروفیسر ہیں جنمیں سے تین یورپین - اور باقی مصری ہیں

بقیہ کالج اور اسکول

ان کالجوں کے سوا اور متعدد کالج انجینیری صناعی - وغیرہ کے ہیں اور ترقی کی حالت میں ہیں - انجینیرنگ کالج میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں اور اُسکے داخلہ امتحان کے متعلق جو قواعد ہیں ایک جداگانہ رسالے میں چھاپے گئے ہیں - جسکے صفحوں کی تعداد ا ا ۔ ہے اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی اسکیم نہایت اعلےٰ درجے کی ہے - میں جب اس کالج میں گیا تو پرنسپل نے مجھ سے شکایت کی کہ موجودہ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے اس کالج کو نہایت نقصان پہنچایا ہے - اسکے قبل یہاں کا کورس وہی تھا - جو فرانس کے انجینیرنگ کالج کا ہے اور اسی غرض سے تمام مضامین فرنچ زبان میں پڑھائے جاتے تھے - لیکن حال کے ڈائرکٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام مضامین انگریزی میں پڑھائے جائیں - اور ہندوستان کے رڑکی کالج کی تقلید کیجائے - پرنسپل صاحب کہتے تھے "کہ رڑکی کی مستعملہ کتابیں یہاں منگوائی گئیں اور میں نے انکو دیکھا - وہ یہاں کے موجودہ کورس سے نہایت کم رتبہ کی کتابیں ہیں - مگر افسوس ہے کہ ہم کو اسی کی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے" -

مدرسۃ الصنائع جس میں صنعت اور حرفت کی تعلیم ہوتی ہے اور جسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زیادہ ہے - نہایت ترقی کی حالت میں ہے - نجاری - حدادی وغیرہ صنعتیں جو سکھائی جاتی ہیں علمی طریقے سے سکھائی جاتی ہیں - اور اس بنا پر کوئی

طالب علم جب تک تعلیم ابتدائی (جو مڈل کے برابر ہے) حاصل نہ کر چکا ہو اسمیں داخل نہیں ہو سکتا۔ عربی فرنچ و انگریزی زبانوں کے علاوہ علوم ریاضیہ مشین کیمیا۔ طبیعات کے ابتدائی حصے بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ ہر روز تین گھنٹے ان نظری علوم کی تعلیم ہوتی ہے اور سات گھنٹے مختلف صنعتوں کی عملی مشق کرائی جاتی ہے۔ سررشتہ تعلیم نے رپورٹ کی ہے کہ اس مدرسے کو نہایت ترقی ہے۔ اور جو چیزیں وہاں تیار کیجاتی ہیں تعجب انگیز ہیں۔

عام اسکول بھی کثرت سے ہیں۔ مدارس تجہیزیہ دو ہیں۔ توفیقیہ تجہیزیہ۔ توفیقیہ کا سالانہ خرچ ایک لاکھ سے زائد ہے۔ اور قریباً چار سو طلبا اسمیں تعلیم پاتے ہیں۔ اسمیں ابتدائی صفیں بھی شامل ہیں۔ اس مدرسے کا مکان نہایت خوبصورت اور خوش فضا ہے خدیو مصر نے شاہی عمارتوں میں سے ایک وسیع مکان جسکا نام قصر النزہتہ ہے۔ مدرسہ کو عنایت کیا اور چونکہ اسکی وضع۔ تعلیمی اغراض کے مناسب نہ تھی پچاس ہزار روپیہ اس غرض کے لیے اور عنایت کئے کہ حسب ضرورت اسمیں ترمیم و صلاح کیجائے چنانچہ سکرٹری مدرسے کی ہدایت کے مطابق اسکی عمارت میں ترمیم اور اضافہ کیا گیا۔ چونکہ مدرسے میں تعلیم کے تین درجے تھے قسم خاص۔ ابتدائی۔ تجہیزی۔ ان تینوں کے لیے جداگانہ عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور ۲۵۰ طالبعلموں کے لیے بورڈنگ کے کمرے بنائے گئے مدرسے کے متعلق دو بڑے بڑے کمرے تصویر کشی اور کیمسٹری کی مشق کے لیے ہیں اور نہایت خوشنما ہیں۔

تجہیزیہ اسکا سالانہ خرچ کم و بیش دو لاکھ ہے اور چار سو لڑکے اس میں تعلیم پاتے ہیں۔ بورڈروں سے ۲۵ پونڈ یعنی ساڑھے چار سو روپے سالانہ فیس لیجاتی ہے بورڈنگ اگرچہ وسیع نہیں اور نہ طالب علموں کے لیے الگ الگ کمرے ہیں لیکن تمام لڑکے نہایت سلیقہ اور صفائی کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں جسوقت اس مدرسے میں گیا

کھانے کا وقت تھا سکرٹری مدرسہ نے جسکا نام ابدیک نظیم ہے۔ مجھ سے کہا کہ پہلے کھانے کے کمرے کی سیر کیجئے کمرہ نہایت وسیع اور خوشنما تھا۔ اور دو تین میزیں اور کثرت سے کرسیاں بچھی ہوئی تھیں کھانے کا طریقہ اگرچہ قسطنطنیہ اور شام کے موافق تھا یعنی چار چار شخصوں کے آگے ایک ایک پلیٹ تھی چھری کانٹے بالکل نہ تھے تاہم مجھکو تعجب بلکہ حیرت ہوئی کہ لڑکے اس خوبی اور صفائی سے کھاتے تھے کہ انکے ہاتھ مطلق نہیں بھرتے تھے۔ نہ میز کی چادر پر کہیں دھبہ تھا۔ آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ لیکن شور وغل کا کیا ذکر ہے۔ گونج تک نہ تھی دریافت سے معلوم ہوا کہ مدرسے کے افسروں میں سے دو ایک ہمیشہ طالبعلموں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اور ہر ہفتہ میں کھانا کھانے کی تہذیب و شائستگی پر لکچر دیا جاتا ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے والے

مصر میں مدت سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر سال سلطنت کیطرف سے چند طالب علم تکمیل تعلیم کے لئے یورپ بھیجے جاتے تھے یہ تعداد اس مناسبت سے ہوتی تھی کہ ہمیشہ تیس ۳۰ طالب علم یورپ میں موجود رہتے تھے سفر اور وہاں کے قیام کا۔ تمام صرف گورنمنٹ مصر کو برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اگرچہ گورنمنٹ نے نہایت فیاضی سے یہ مصارف برداشت کئے۔ لیکن بدقسمتی سے گورنمنٹ اور ملک کو ایک مدت تک کچھ فائدہ نہ پہنچا جو لوگ تعلیم پاکر آئے ان میں (ہمارے ہندوستان کیطرح) بہت کم ایسے نکلے جو کسی فن میں کامل ہوں۔ یا اُنکی ذات سے ملک کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکے آخر سررشتہ تعلیم کے افسر نے اسپر توجہ کی اور غور و تحقیق کے بعد اس نقصان کے اسباب دریافت کئے جن میں سے ایک بڑا سبب یہ تھا کہ لڑکوں کے انتخاب میں غلطی ہوتی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے لڑکے بھیجے جاتے تھے اور چونکہ ابتدائی تعلیم و تربیت عمدہ نہیں ہوتی تھی۔ یورپ کی تعلیم و تربیت کا اثر ان پر بہت کم پڑتا تھا۔ اسوقت سے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ آئندہ سے جو لڑکے

بھیجے جائیں اُن کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ ہو اسمیں ایک یہ مشکل تھی۔ کہ مذہب اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اسکے لئے یہ قاعدہ قرار دیا گیا کہ چند علما طالبعلموں کیساتھ جائیں جو عربی زبان اور مذہب کی تعلیم دیتے رہیں۔ یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوُا اور چونکہ ملک نے ان طالب علموں کی عمدہ مثالیں دیکھیں لوگ اپنی اولاد کو اپنے صرف سے بھیجنے لگے۔ یہانتک کہ ۱۸۸۸ء میں جسقدر لڑکے یوروپ میں تعلیم پاتے تھے۔ اُنمیں ۲۵۔ گورنمنٹ کیطرف سے اور ۲۵ خود اپنے صرف سے تعلیم پاتے تھے ۱۸۸۸ء میں جسقدر طالب علم یوروپ میں موجود تھے اور جن علوم میں ان کی تعلیم ہوتی تھی۔ اُنکی تفصیل یہ ہے۔

حکومت کے صرف سے	اپنے خاص صرف سے	جن صیغوں میں تعلیم پاتے تھے
۵	۱۷	بیرسٹری
۴	۱۲	ڈاکٹری
۷	۰	امور مالیہ
۳	۰	معلمی یا پروفیسری
۰	۲	زراعت
۱	۰	بیرسٹرے کیلئے تیاری
۰	۱	ٹیکنکل کالج کے لیے تیاری

ان میں سے ۱۳ طالب علموں نے جو سلطنت کیطرف سے وظیفہ پاتے تھے نہایت اعلےٰ درجے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ایک ان میں رُشدی طبوزادہ تھا۔ جس کو بیرسٹری میں ڈاکٹری کی سند ملی۔ ایک لڑکا جسکا نام اسمٰعیل آفندی تھا اور فرانس کے کالج میں پروفیسری کی تعلیم پاتا تھا۔ طبیعات کے امتحان میں تمام کالج میں اسکا دسواں نمبر رہا۔ حالانکہ کل امیدوار جو امتحان میں شریک تھے ۳۵۱ تھے اور سب فرانس کے رہنے والے تھے

ایک اور لڑکا جسکا نام عبداللہ تھا اس نے پولیٹیکل اکانمی میں سب سے اول درجے کا انعام حاصل کیا۔ ان طالب علموں کے سوا چند اور طالب علم انگلستان۔ اٹلی۔ جرمن میں تعلیم پاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کلوں کے بنانے کا کام سیکھتے ہیں اور ان سب کا خرچ گورنمنٹ مصر ادا کرتی ہے۔

یورپ میں تعلیم پانے کے متعلق ۱۸۹۰ء کی رپورٹ میں ڈائرکٹر تعلیم نے ایک نہایت مفید اور مدلل تقریر لکھی ہے جسمیں اہل ملک سے خطاب کیا ہے۔ کہ اگر وہ لوگ چند خاص باتوں کا لحاظ نہ رکھینگے تو یوروپ کی تعلیم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ مدت دراز کے تجربے سے ثابت ہو چکا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یا تو نہایت کم عمر کے لڑکے بھیجنے چاہئیں جو ابتدا سے لیکر انتہا تک یورپ ہی میں تعلیم پائیں یا اگر بڑی عمر کے ہوں تو ضرور ہے کہ یورپ جانے سے پہلے ایف اے کی سند حاصل کر چکے ہوں۔ ہمارے ہندوستان میں بھی یہ عام شکایت ہے کہ یوروپ کی تعلیم میں جو مصارف کثیر برداشت کئے جاتے ہیں۔ ان کا کافی صلہ نہیں ملتا۔ یہ شکایت بالکل سچ ہے اور غالباً اسکی وہی وجہ ہے جو مصر کے ڈائرکٹر تعلیم نے بیان کیا۔

قدیم تعلیم

و

جامع ازہر

یہاں کی قدیم تعلیم۔ دوسرے لفظوں میں جامع ازہر کی تعلیم ہے۔ اس لئے قدیم تعلیم کی کیفیت بیان کرنے کے لئے جامع ازہر کے حالات بیان کرنے کافی ہیں۔ یہ وہی جامع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ کل دنیا میں اس سے قدیم کوئی یونیورسٹی نہیں ہے۔ یہ ایک جامع مسجد ہے اور قاہرہ میں سب سے پہلے مسجد جو تعمیر ہوئی وہ یہی ہے۔ فاطمیین مصر میں سے خلیفہ المعز الدین اللہ کے ایک غلام نے جو سلطنت کا رُکن اعظم

تھا۔ اور اپنی قابلیت خداداد سے وزارت فاطمہ کا دست و بازو بن گیا تھا۔ ۳۵۹ھ ہجری
میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور ۳۶۱ھ ہجری میں انجام کو پہنچی ۳۷۸ھ ہجری میں خلیفہ
عزیز باللہ نے مسجد سے متصل طالبعلموں کے لئے کچھ مکانات بنوائے اور ۳۵
طالبعلموں کے لئے وظیفہ مقرر کیا۔ حاکم بامر اللہ نے ۴۰۰ھ ہجری میں مسجد کی عمارت
میں تجدید کی اور اس کے مصارف کے لئے ۱۶۷ دینا منافع سالانہ کی جائیداد وقف
کی ۷۶۱ھ ہجری میں امیر طواشی نے یتیموں کے لئے ایک خاص مکتب قائم کیا۔
اور اسکے ساتھ عام طلباء مسجد کے لئے بہت سی جائیدادیں وقف کیں۔ رفتہ رفتہ بہت
بڑا دار العلم بنگیا یہاں تک کہ ۸۱۸ھ ہجری میں اسکے طالبعلموں کی تعداد ۷۵۰ سے
متجاوز تھی جس میں ہر ملک اور ہر قوم کے اشخاص تھے اور آج تو یہ حالت ہے
کہ کثرت طلبا کے لحاظ سے تمام دنیا کی کوئی یونیورسٹی اسکی ہمسری نہیں کر سکتی کم و
بیش چار یا پانچ ہزار طالب علم خود مسجد میں سکونت رکھتے ہیں۔ بہت سی پاس پاس
کی مسجدوں میں رہتے ہیں۔ لیکن کھانا یہیں سے ملتا ہے۔ غرض ہر قسم کے طلباء
کی تعداد جن کو جامع ازہر سے تعلق ہے بارہ ہزار سے متجاوز ہے۔ ہر ملک کے
طالب علموں کے لئے الگ الگ بالاخانے ہیں جنکو یہاں رواق کہتے ہیں۔ بہت
سے طالب العلم بلکہ کثرت سے ایسے ہیں۔ جنکے لئے مکان یا حجرہ کچھ بھی نہیں۔ مسجد
کے صحن میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی الماریاں اوپر تلے چنی ہیں۔ یہی
اُنکے توشے خانے ہیں۔ جن میں وہ اپنے کپڑے اور ضروری اسباب رکھتے ہیں۔
سونے بیٹھنے کے لئے مسجد کا تمام صحن پڑا ہوا ہے۔ اول اول جب میں اس مسجد
کی زیارت کے لئے گیا تو دور سے گونج کی آواز آئی اندر داخل ہوا تو ہر طرف طالبعلم
ہی طالب علم نظر آتے تھے۔ جابجا مدرسین درس دے رہے تھے اور ایک ایک کے
گرد تیس ۳۰ تیس چالیس ۴۰ چالیس کا مجمع تھا۔ یہ حلقے تیس چالیس سے کم نہ تھا اور چونکہ

پاس پاس تھے۔ اسلئے اسقدر شور و غل تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مجھ کو خیال ہوا کہ آج کوئی خاص دن ہے اور اس وجہ سے کثرت سے طلبا جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن دو چار روز رہکر یہ معلوم ہوا کہ یہ معمولی حالت ہے مجھ کو خیال ہوا۔ کہ اس ہنگامہ میں جمعیت خاطر اور ایک طرف مدرسین کی آواز بھی طالب العلم کے کان تک پہنچتی ہے یا نہیں۔

جن جن ملکوں مثلاً شام۔ مغرب۔ جزیرہ۔ عراق۔ بخارا۔ خراسان۔ افغانستان ہندوستان وغیرہ کے طالب العلموں کے لئے رواق بنے ہیں وہاں کے لوگ ہمیشہ سوداگروں کے وزیعے سے سالانہ کچھ رقم بھیجتے ہیں جو ان طلبا کو جیب خرچ کے طور پر دیجاتی ہے۔ معمولی کھانا خود ازہر سے ملتا ہے۔ لیکن چونکہ صرف روٹیاں ملتی ہیں اسلئے سالن کا اہتمام انکو خود کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے طلبہ جنکو چار چار پانچ پانچ روٹیاں ملتی ہیں۔ نان بائی کو دو تین روٹیاں دیکر اسکے بدلے سالن لے لیتے ہیں اور اسطرح ان کے جیب خرچ پر چنداں بار نہیں پڑتا۔ روٹیوں کی تقسیم کا طریقہ یہ ہے۔ کہ وقت معین پر طلبا کا ایک گروہ بازار میں (جو مسجد کے سامنے ہے) دورویہ صف باندھکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ آتا ہے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک قائم رہتا ہے۔ طالب علموں کے ہاتھوں میں کوئی تولیہ یا رومال نہیں ہوتا جسطرح بھیک منگے جو کچھ ملتا ہے۔ ہاتھ پھیلا کر لے لیتے ہیں ان طالب علموں کا بھی یہی حال ہے۔

مدرسین کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ مدرس اول جو **شیخ ازہر** کہلاتا ہے۔ اور جسکی تنخواہ چھ سات سو ماہوار سے کم نہیں ہوتی نہایت معزز سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ خود حکومت اسکا پاس کرتی ہے۔ اس مدرسے کا مجموعی خرچ دو تین لاکھ روپیے سالانہ سے کم نہیں ۱۸۹۲ء میں علاوہ اس رقم کے سرشتہ تعلیم سے دو لاکھ

سالانہ کی رقم اور منظور ہوئی۔

مجھ کو اپنے تمام سفر میں جسقدر جامع ازہر کے حالات سے مسلمانوں کی بدبختی کا یقین ہوا کسی چیز سے نہیں ہوا۔ ایک ایسا دار العلوم جسمیں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان جمع ہوں جسکا سالانہ خرچ دو تین لاکھ سے کم نہ ہو۔ جسکے طالبعلموں کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو۔ اسکی تعلیم و تربیت سے کیا کچھ امید نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لاکھوں مسلمان کو برباد کر چکا ہے اور کرتا جاتا ہے۔ تربیت و معاشرت کا جو طریقہ ہے اور جسکا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں اُس سے حوصلہ مندی۔ بلند نظری جوش ہمت غرض تمام شریفانہ اوصاف کا استیصال ہو جاتا ہے۔ میں نے یہاں ایسے طلبا دیکھے ہیں۔ جنکے عزیز اور نہایت قریب عزیز (چچا۔ ماموں وغیرہ) خود اسی شہر میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ہیں اور انکی تمام ضروریات کے متکفل بھی ہیں تاہم چونکہ یہ طلبا ازہر میں رہتے ہیں۔ اسلئے انکو عام بازار میں ہاتھ پھیلا کر روٹیاں لینے میں ذرا شرم نہیں آتی۔ طالب علموں کی دنارت اور پست حوصلگی کا یہ حال ہے۔ کہ بازار میں پیسے کی ترکاری خریدتے ہیں تو کنجڑے کو قسم دلاتے جاتے ہیں کہ سیرا اس سیدنا الحسین یعنی تجھ کو امام حسین کے سر کی قسم واجبی قیمت بتانا کیا اس قسم کے تربیت یافتہ لوگوں سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلام کی عظمت و شان بڑھائینگے؟ ہمارے ملک میں اس قسم کے جو مدرسے ہیں ازہر اُن سے بھی گیا گزرا ہے۔

اس سے زیادہ تر افسوس تعلیم کی ابتری کا ہے۔ یہاں مستقل اور اصلی طور پر صرف فقہ۔ و نحو کی تعلیم ہوتی ہے اور دونوں کے لئے آٹھ آٹھ برس مقرر ہیں منطق فلسفہ ریاضی اور دیگر علوم عقلیہ تو گویا درس میں داخل ہی نہیں۔ اصول فقہ تفسیر۔ حدیث ادب۔ معانی۔ بیان کی تعلیم ہے۔ لیکن اسقدر کم ہے کہ اتنے بڑے دار العلوم کے کسی طرح شایاں نہیں۔ نحو اور فقہ جسپر ایک عمر صرف کیجاتی ہے۔ ان کی تعلیم بھی

محققانہ اور مجتہدانہ نہیں ہوتی۔ کافیہ وغیرہ کی شرحیں۔ شرحوں کے حواشی اور حواشی کے حواشی پڑھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں۔ شیخ طباں جامع میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ انکی ایک شرح ہے۔ اس شرح کو اس قدر مہتم بالشان سمجھا گیا ہے کہ اس کی شرحیں اور شرحوں کے حاشیے درس میں داخل ہیں۔ اور اس تمام سلسلہ کا ضبط و حفظ کرنا بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے۔ چونکہ میں نے خود ازہر میں قیام کیا تھا۔ اکثر طلبا سے صحبت رہتی تھی میں ان کو نہایت معمولی ناقابل التفات جزئی بحثوں میں مصروف دیکھتا تھا۔ اور افسوس کرتا تھا۔ اسی لغو طریقہ تعلیم کا اثر ہے کہ ایک مدت سے ازہر نے کوئی قابل قدر عالم اور مصنف نہیں پیدا کیا۔ میں نے طلبا سے دریافت کیا کہ شیخ ازہر جو استاد الکل خیال کئے جاتے ہیں۔ انکی کوئی تصنیف بھی ہے۔ انھوں نے بڑے فخر سے کہا کہ ہاں صبان پر بڑے معرکے کے حاشیہ لکھے ہیں۔

زیادہ افسوس یہ ہے کہ تعلیم کسی اصول پر نہیں ہے نہ صف بندی ہے۔ نہ کوئی خاص نصاب ہے۔ نہ امتحان ہوتا ہے نہ ترقی پانے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہے افسوس پر افسوس یہ ہے کہ ان ابتریوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں علی پاشا مبارک نے جو ایک زمانے میں رشتہ تعلیم کا افسر تھا کچھ اصلاح کرنی چاہی تھی۔ اس پر ازہر کے تمام علما اسکے دشمن بن گئے اور چونکہ شیخ ازہر کا اثر طلبا پر منحصر نہیں بلکہ تمام ملک اسکو مذہبی پیشوا تسلیم کرتا ہے۔ اسلئے پاشائے موصوف کو اغماض کرنا پڑا۔ ازہر حقیقت میں ایک ملکی طاقت ہے، اور خود سلطنت اسکی مخالفت پر باسانی جرأت نہیں کر سکتی۔

کتب خانہ خدیویہ

یہ نہایت عالیشان کتبخانہ ہے۔ اور ترتیب، خوش اسلوبی۔ زیب و زینت حسن انتظام خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں سے بہتر ہے۔ عمارت نہایت شاندار

وسیع ہے اور مختلف حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ سیر و مطالعہ کے لئے مخصوص ہے اس میں تین بڑے بڑے کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں بہت بڑی لمبی میز ہے جس پر رجسٹر اور فہرست کی جلدیں پڑی ہیں۔ ایک کمرہ مطالعہ۔ اور ایک نقل و کتابت کیلئے خاص ہے۔ جو شخص کوئی کتاب لینی چاہے افسر کتب خانہ اسکو ایک چھپا ہوا کارڈ دیتا ہے کارڈ میں مفصلہ ذیل عنوان ہوتے ہیں۔ کتاب لینے والے کا نام مع تصریح سکونت و پیشہ۔ ضامن کا نام (اجنبی شخص کو بغیر ضمانت کے کتاب نہیں مل سکتی) کتاب کا نام اور فن اور یہ تصریح کہ کتاب مطالعہ کے لئے لیتا ہے۔ یا نقل کے لئے۔ تعداد ایام۔ یہ کارڈ خانہ پری کر کے ملازم کتبخانہ کو حوالہ کر دیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب مطالعہ یا نقل کرنے کے کمرے میں آجاتی ہے۔ یہ طریقہ اگرچہ حسن انتظام کی دلیل ہے۔ لیکن دقت سے خالی نہیں۔

کتابیں جہاں رکھی۔ وہ بالکل جداگانہ قطعہ ہے جسمیں متعدد کمرے ہیں۔ ایک کمرہ جو نہایت وسیع ہے اسمیں نہایت پُر تکلف ترکی قالین بچھا ہے۔ چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی آئینہ دار الماریاں ہیں۔ بیچ میں آئینہ دار میزیں ہیں جنکے اندر قلمی اور نایاب کتابیں کھلی ہوئی رکھیں ہیں۔ ان میں ایک قرآن ہے جو ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے اور جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اُس کے سوا قرآن مجید کے اور نادر نسخے ہیں جو سلاطین مصر نے آٹھویں اور نویں صدی میں وقف کئے تھے۔

یہ کتب خانہ ۱۲۸۶ھ میں قائم ہوا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ قاہرہ و اسکندریہ وغیرہ میں اس سے پہلے بہت سے چھوٹے چھوٹے وقفی کتب خانے تھے اور چونکہ ان کی حفاظت کا کافی انتظام نہ تھا۔ کتابیں ابتر اور ضائع ہوتی جاتی تھیں۔ اس لحاظ سے علی پاشا ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کی رپورٹ پر یہ کتبخانہ قائم کیا گیا اور تمام قدیم

کتب خانوں کی کتابیں اسمیں داخل کردی گئیں ۔ خدیو کے حکم سے علما کی ایک مجلس قائم ہوئی جسکا یہ کام تھا کہ عمدہ اور نادر کتابوں کا پتہ لگائے تاکہ ان کی نقلیں لکھوا کر کتبخانے میں داخل کی جائیں جب کتابوں کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع ہوگیا ۔ تو خدیو نے فہرست کی تیاری کا حکم دیا چنانچہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں یہ فہرست شروع ہو کر سنہ ۱۳۰۹ھ میں انجام کو پہنچی ۔ یہ فہرست آٹھ جلدوں میں ہے اور صرف عربی کتابوں کی ہے ۔ ترکی ۔ اور فرنچ و انگریزی کتابوں کی جدا فہرستیں ہیں ۔

نقشہ ذیل سے عربی کتابوں کے متعلق ایک اجمالی اطلاع حاصل ہوگی ۔

نام فن	تعداد کتب	نام فن	تعداد کتب
مصاحف مجید	۱۶۱	حدیث	۱۵۰۳
علم قرأت	۸۵	توحید	۵۶۳
تفسیر	۶۴۷	تصوف	۷۰۵
مواعظ	۳۰۷	الفوائد والادعیۃ	۶۴۴
اصول فقہ	۲۳۵	آداب البحث	۲۰۸
فقہ حنفی	۱۴۵۱	فقہ مالکی	۲۳۷
فقہ شافعی	۵۲۰	فقہ حنبلی	۱۲۶
علم الفرائض	۱۳۸	علم صرف	۲۳۸
نحو	۱۰۲۹	بلاغۃ	۳۸۵
علم الوضع	۱۸	علم اللغۃ	۱۶۰
عروض و قوافی	۶۸	علم ادب	۱۲۴۹
تاریخ	۱۱۸۴	ریاضی	۱۸۸
علم الہیئۃ	۱۹	علم المیقات	۵۵۴

علم الحروف والاسماء	۱۸۵	الکیمیاء والطبیعیہ	۹۸
طب	۲۶۴	منطق	۲۵۶
حکمت وفلسفہ	۱۲۴	فنون متنوعہ	۱۰۹۶

میزان کل ۱۴۷۰۵

یہاں اس موقع پر بعض نادر اور نایاب کتابوں کے نام درج کرتا ہوں جو اس کتبخانہ میں موجود ہیں
تفسیر۔ احکام القرآن لابی بکر الجصاص المتوفی ۳۰۵ھ احکام القرآن لابن العربی۔ احکام القرآن لکیا الہراسی المتوفی ۵۰۴ھ اعراب القرآن للنحاس النحوی المتوفی ۳۳۸ھ اعجاز القرآن للباقلانی۔ البحر المحیط لابن حیان الاندلسی۔ البرہان للشیخ ابی الحسن الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ فی عشر مجلدات۔ البسیط للواحدی۔ تنزیہ القرآن للقاضی عبد الجبار المعتزلی۔ جامع البیان فی تاویل القرآن لمحمد بن جریر الطبری۔ ۲۱ مجلدات تفسیر ابن جوزی ۴ مجلدات۔ تفسیر حافظہ عبد الرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ غریب القرآن للسجستانی المتوفی ۳۳۰ھ۔ غریب القرآن لاحمد بن محمد الہروی المتوفی ۴۰۱ھ غریب القرآن لابن الشجری۔ قانون التاویل للقاضی ابی بکر ابن العربی الاندلسی المتوفی ۵۴۳ھ الکفیل بمعنی التنزیل للعماد الکندی قاضی اسکندریہ۔ المتوفی ۷۲۰ھ۔

حدیث الاحکام الکبری لعبد الحق الاشبیلی۔ اختلاف الحدیث للامام الشافعی آداب الامام الحافظ البیہقی۔ جامع المسانید والقاب لابن الجوزی۔ الجوہر النقی۔ الحاوی فی بیان آثار الطحاوی۔ سنن کبری بیہقی۔ شرح معانی الآثار للعینی۔ مسند امام حنبل۔ مسند امام راہویہ۔ مسند حافظ ابی عوانہ۔ مسند حافظ ابو عبد اللہ المروزی۔ مسند حافظ ابو نعیم۔

تاریخ۔ احاطہ فی اخبار غرناطہ۔ اخبار ابی نواس ابن عدجاد راقہا ۱۲۰۔ اخبار سیبویہ النحوی اوراقہا ۶۳۔ الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ۔ اوراق صولی ناقص تاریخ دمشق لابن عساکر ناقص۔ تاریخ بغداد خطیب ناقص۔ تاریخ الحکماء لجمال الدین لقفطی

طبقات الامم لصاعد الاندلسی۔ سلم الوصول الی طبقات الفحول لمصنف کشف الظنون۔ السہم المصیب فی الرد علی الخطیب۔ طبقات الحفاظ للذہبی۔ طبقات کبری سبکی۔ طبقات الشعراء طبقات الشعراء لابن قتیبہ۔ طبقات الفقہاء امام ابو اسحٰق شیرازی۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ عینی۔ طبقات حملۃ المذہب لابن الملقن۔ فضائل ابی بکر الصدیق لابن العشاری من اصحاب القرن الخامس۔ فضائل ابی حنیفۃ النعمان لابن العوام۔ فضائل مصر لابی یوسف الکندی المتوفی سنہ ۳۵۰ھ۔ منقول من نسخۃ الاصل المکتوبۃ لکافور الاخشیدی۔ اللباب فی الانساب لابن الاثیر۔ مناقب الشافعی۔ مختصر المنتظم لابن الجوزی۔ واقتصار الضالۃ۔ مسالک الامصار لابن فضل اللہ۔

مناقب الامام الشافعی للرازی۔ مناقب امام احمد حنبل لابن الجوزی۔ سیرۃ الفاروق لابن الجوزی۔ المنتظم لابن الجوزی۔ نہایۃ الارب للنویری ناقص۔

ادب۔ الاشباہ والنظائر۔ البیان والتبیین للجاحظ۔ جمہرۃ اشعار العرب۔ ابن درید۔ حماسۃ البصریین۔ دیوان حافظ ابن حجر۔ دیوان ابن الرومی۔ دیوان ابن المعتز۔ دیوان ابی نواس۔ دیوان الاعشی۔ ذوالرمۃ۔ دیوان قطامی۔ دیوان قیس بن الخطیم۔ دیوان لبید۔ دیوان المتلمس۔ روضۃ البلاغۃ۔ الزواہر للزجاجی۔ شرح ابن جنی علی المتنبی۔ شرح دیوان ابی تمام للصولی المتوفی سنہ ۳۳۵ھ۔ شرح دیوان جران العود للامام السکری المتوفی سنہ ۲۷۵ھ۔ شرح دیوان حطیئہ۔ شرح مرزوقی علی الحماسہ۔ شرح الحماسہ لابی العلاء المعری۔ شرح دیوان حماسہ لابن جنی۔ شرح دیوان خرنق وہی شاعرۃ جاہلیۃ۔ شرح دیوان زہیر بن ابی سلمی للامام ثعلب۔ شرح دیوان زہیر للاعلم الشنتمری۔ شرح عبید اللہ بن قیس الرقیات للسکری۔ شرح دیوان المثقب العبدی وہو جاہلی۔ شرح المعلقات لابن النحاس۔ شرح المفضلیات لابن الانباری۔ دیوان سراقہ بن مرداس۔ دیوان شماخ۔ دیوان عمر بن ابی ربیعۃ۔ شرح دیوان رؤبۃ۔ شرح دیوان العجاج۔ دیوان داؤد الدمشقی۔

قدیم یادگاریں اور قابل سیر مقامات

آثار قدیمہ کے لحاظ سے کوئی شہر اس شہر کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ سچ یہ ہے۔ کہ یہاں کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔ سواد شہر کے ویرانوں میں اسوقت تک سیکڑوں خزف ریزے ملتے ہیں۔ جن پر کئی کئی ہزار قبل کے حروف ونقوش کندہ ہیں۔ مجھ کو اتنا وقت بلکہ سچ یہ ہے کہ اتنی ہمت کہاں تھی کہ تمام قدیم یادگاروں کی سیر کرتا۔ البتہ چند مشہور مقامات دیکھے اور اُنہی کے حال پر اکتفا کرتا ہوں۔

اہرام۔ یہ وہ قدیم مینار ہیں۔ جنکی نسبت عام روایت ہے کہ طوفان نوح سے پہلے موجود تھے۔ اور اس قدر تو قطعی طور سے ثابت ہے۔ کہ یونان کی علمی ترقی سے انکی عمر زیادہ ہے۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ **مینار** نہایت کثرت سے تھے یعنی دو دن کی راہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ صلاح الدین کے زمانے میں اکثر ڈھا دئے گئے۔ ان میں سے جو باقی رہے گئے ہیں اور جن پر خاص طور سے اہرام کا اطلاق ہوتا ہے صرف تین ہیں۔ جو سب سے بڑا ہے اسکی لمبائی ۴۸۰ فیٹ یعنی قطب صاحب کی لاٹ سے دگنی ہے۔ نیچے کے چبوترہ کا ہر ضلع ۷۶۴ فیٹ ہے مینار کا مکعب ۸ کروڑ نوے لاکھ فیٹ ہے اور وزن ۶۸ لاکھ ۴۰ ہزار ٹن۔ اسکی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی بیس برس تک کام کرتے رہے۔ جڑ میں ۳۰۔۳۰ فیٹ لمبے اور ۵۔۵ فیٹ چوڑے پتھر کی چٹانیں ہیں۔ اور چوٹی پر جو چھوٹی سے چھوٹی ہیں ۸ فیٹ کی ہیں۔ اسکی شکل یہ ہے۔

ایک نہایت وسیع مربع چبوترہ ہے۔ اسپر ہر طرف سے کسیقدر سطح چھوڑ کر دوسرا چبوترہ ہے۔ اسیطرح چوٹی تک اوپر تلے چبوترے ہیں اور ان چبوتروں کے تدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زینوں کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ تقریب بیس بیس ہی پتھر دو کو

اسطرح وصل کیا ہے کہ جوڑ یا درز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونہ یا مصالح کا بھی اثر نہیں معلوم ہوتا - اسپر استحکام کا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے - اور جوڑوں میں بال برابر فصل نہیں پیدا ہوا ہے - ان مناروں کو دیکھکر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے - کہ جرثقیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا - کیونکہ اسقدر بڑے بڑے پتھر اتنی بلندی پر جرثقیل کے بغیر چڑھائے نہیں جا سکتے اور اگر اس ایجاد کو زمانہ حال کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو جرثقیل سے بھی بڑھکر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑیگا ❊

ان میناروں میں ایک جو سب سے چھوٹا ہے کسیقدر خراب ہو گیا ہے جسکی کیفیت یہ ہے کہ ۵۹۳ھ ہجری میں ملک العزیز (پسر سلطان صلاح الدین) نے بعض احمقوں کی ترغیب سے اسکو ڈھانا چاہا - چنانچہ دربار کے چند معزز افسر اور بہت سے نقیب ان اور سنگتراش اور مزدور اس کام پر مامور ہوئے - آٹھ مہینے تک برابر کام جاری رہا اور نہایت سخت کوششیں عمل میں آئیں - ہزاروں لاکھوں روپے برباد کر دئے گئے - لیکن بجز اسکے کہ اوپر کی استرکاری خراب ہوئی یا کہیں کہیں سے ایک آدھ پتھر اکھڑ گیا - اور کچھ نتیجہ نہیں ہوا - مجبور ہو کر ملک العزیز نے یہ ارادہ چھوڑ دیا[1] ❊

اہرام کے قریب ایک بہت بڑا بت ہے جسکو یہاں کے لوگ ابوالہول کہتے ہیں - اسکا سارا دھڑ زمین کے اندر ہے - گردن اور سر اور دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں چہرہ پر کسی قسم کا سرخ روغن ملا ہے جسکی آب اسوقت تک قائم ہے - ان اعضا کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساڑھے ستر گز سے کم نہ ہوگا - باوجود اس غیر معمولی درازی کے تمام اعضا ناک کان وغیرہ اس ترتیب اور مناسبت سے بنائے ہیں کہ اعضا کے باہمی تناسب میں بال برابر کا فرق نہیں - عبد اللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپنے دنیا میں سب سے عجیب تر کیا چیز دیکھی - اُس نے کہا کہ "ابوالہول کے اعضا کا تناسب"

[1] اس واقعہ کو عبد اللطیف البغدادی نے مصر کی تاریخ میں افسوس کے ساتھ درج کیا ہے ۱۲

کیونکہ عالم قدرت میں جس چیز کا عدم موجود نہیں اُسمیں ایسا تناسب قائم رکھنا آدمی کا کام نہیں۔

قلعہ۔ یہ قلعہ سلطان صلاح الدین کے عہد کا ہے۔ قلعہ کی اصل عمارت میں نہیں دیکھ سکا۔ البتہ محمد علی پاشا کی مسجد دیکھی۔ بڑی شان و شوکت کی ہے۔ چھت اور دیواروں پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ تمام مسجد میں نہایت عمدہ ترکی قالین کا فرش ہے مسجد کے قریب وہ عجیب و غریب کنواں ہے جسکو عوام نے چاہ یوسف اور زندانِ یوسف مشہور کر رکھا ہے اور لوگ اُسکی زیارت کو جاتے ہیں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین کا اصل نام **یوسف** تھا۔ اسلئے مجاوروں کو عوام کے بہکانیکا اچھا ذریعہ ہاتھ آگیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس میں ایک قبر بنا رکھی ہے اور اُسکو حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں۔ مجاور صاحب نے مجھ کو بھی دھوکہ دینا چاہا اور جب میں نے کہا کہ حضرت یوسف یہاں کہاں؟ تو برجستہ فرمایا کہ " مجھ کو سہو ہوا یہ اُس قیدی کی قبر ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں داخل ہوا تھا اور اُن سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی۔

یہ کنواں درحقیقت عجیب و غریب اس کے عمق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ (۳۰۰ سیڑھیاں اُتر کر اسکی جگت ملتی ہے سیڑھیاں بڑے گج و پیچ سے بنائی گئی ہیں اور راستہ اسقدر تاریک ہے کہ بغیر شمع کے کچھ نظر نہیں آسکتا۔ چنانچہ جو لوگ اُسکی سیر کو جاتے ہیں۔ مجاور شمع لیکر اُنکے ساتھ ہوتا ہے۔ جگت پر پہنچکر میں نے کنکری پھینکی تو دیر کے بعد اسکی آواز آئی جس سے معلوم ہوا کہ پانی بہت فاصلہ پر ہے۔

انتیکخانہ یعنی عجائب خانہ۔ یہ عجائب خانہ محمد علی پاشا خدیو مصر نے ۱۸۳۵ء میں قائم کیا۔ شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سرکاری باغ ہے جو کئی میل لمبا چوڑا ہے عجائب خانہ اسی میں واقع ہے۔ اسمیں بیشمار کمرے ہیں اور نہایت خوبصورتی سے مرتب ہیں یہاں حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے کی یادگاریں موجود ہیں۔ تشریالی پیالے مرتبان ۔ اور

اس قسم کے سیکڑوں برتن ہیں جو کئی کئی ہزار برس کے ہیں۔ سب سے عجیب و غریب وہ لاشین
ہیں جنپر ہزاروں برس گزر چکے اور ابتک اصلی ہیئت کے ساتھ قائم ہیں اُن کو عربی
مین مومیائی اور انگریزی مین ممی کہتے ہیں۔ قدیم مصریوں کا دستور تھا کہ لکڑی یا پتھر
کو کشتی کی وضع پر تراشکر اُس میں مردوں کی لاشین رکھتے تھے۔ اور خالی جگہ کو چونہ وغیرہ
سے بھر کر اوپر کی سطح پر مردہ کی تصویر بنا دیتے تھے۔ لاشونمیں ایک خاص قسم کا مصالحہ
لگایا جاتا تھا جسکی وجہ سے بدن سڑنے گلنے سے محفوظ رہتا تھا۔ اس قسم کے بہت سے
تابوت یہاں موجود ہیں اور انہی کو مومیائی یا ممی کہتے ہیں۔ انہیں سے دو یا تین تابوت
کھل گئے ہیں یعنی اوپر کا چونہ اور مصالحہ ہٹ گیا ہے اور اس وجہ سے تمام جسم صاف
نظر آتا ہے۔ میں نے بہت غور سے ان لاشوں کو دیکھا۔ باوجود ہزاروں برس گزرنے
کے جسم پر بوسیدگی کا ذرا بھی اثر نہیں۔ سر کے بال اور ناخن بدستور قائم ہیں۔ ان کو
دیکھکر دلپر عجیب تاثیر ہوتی ہے اور درحقیقت ان سے بڑھکر عبرت کا مرقع اور کیا ہوگا؟

سجن یوسف یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا قیدخانہ۔ یہ وہی قیدخانہ ہے جسکا
ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور جو حضرت یوسفؑ کے جمال مبارک کی وجہ سے رشک ارم تھا۔



در چمن بود زلیخا و بحسرت می گفت یاد زندان کہ درو انجمن آرائے ہست

علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ "صحیح روایات اور قرائن سے ثابت ہے کہ حضرت
یوسف جس قیدخانہ میں قید ہوئے تھے وہ یہی مقام ہے"۔ مجھکو سخت افسوس ہے کہ
میں اس عبرت انگیز اور متبرک مقام کی سیر نہ کر سکا۔ میں نے اسکا تذکرہ صرف اسوجہ سے
کر دیا ہے کہ ہمارے ہموطنوں میں سے خدا کسی کو یہاں پہنچائے تو میری طرح اسکی زیارت
سے محروم نہ رہے۔

اسلامی قدیمی یادگارین بھی یہاں کثرت سے ہیں۔ مسجدوں کی تو کچھ انتہا نہیں سیکڑوں

بلکہ ہزاروں ہیں۔ ان میں سب سے قدیم جامع عمرو بن العاص ہے جو حضرت فاروق کے عہد خلافت کی یادگار ہے۔ مشہد حسین ایک مسجد ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک اسمیں مدفون ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ روایت کہانتک صحیح ہے لیکن یہاں کے عام لوگ اسی بنا پر مسجد کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے بھی اسکے لئے بڑا اہتمام ہے۔ شاندار وسیع اور خوبصورت مسجد ہے۔ اسپر تکلیف اور ساز و سامان نے اور بھی اسکی رونق بڑہادی ہے۔ تمام مسجد میں ٹرکی قالین بچھا ہوا ہے اور غالباً بہت جلد جلد بدلا جاتا ہے۔ کیونکہ میں نے جب دیکھا تو کہنگی اور فرسودگی کا مطلق اثر نہ تھا۔

سب سے زیادہ عجیب و غریب مسجد۔ سلطان حسن کی مسجد ہے جو قلعہ کے قریب ہے۔ اس مسجد کی تعمیر میں متصل تین برس تک بیس لاکھ درہم (پانچ ہزار روپے) روزانہ صرف ہوئے۔ ۷۵۷ھ میں اسکی تعمیر شروع ہوئی اور ۷۶۰ھ میں انجام کو پہنچی۔ اسکو مدرسہ سلطان حسن بھی کہتے ہیں کیونکہ اسکے چار طرف بڑے بڑے ایوان ہیں جنمیں ائمہ اربعہ کے فقہاء فقہ و حدیث کا درس دیتے ہیں۔ مورخ مقریزی نے لکھا ہے کہ "تمام ممالک اسلام میں کوئی مذہبی عمارت اسکے مثل تعمیر نہیں ہوئی"۔ اگرچہ میں اس دعوے کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ دنیا کی کوئی مسجد اسقدر بلند اور مرتفع نہیں ہے افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسی عجیب و غریب یادگار بالکل ویران ہو رہی ہے رات کو اسمیں چراغ تک نہیں جلتا۔ اور دروازہ ہر وقت بند رہتا ہے۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا تو ہر طرف وحشت برستی تھی۔ اسلامی سلطنت میں ایسی عظیم الشان مسجد کی یہ بے قدری نہایت قابل تعجب ہے۔

مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور انکے مصارف کیلئے بہت سے اوقاف ہیں۔ حضرت زینب (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثومؓ۔ امام شافعیؒ۔ امام

لیث رض کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں میں نے امام شافعیؒ کے مزار کی زیارت کی۔
اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا۔لیکن وہاں پہنچکر جو حالت دیکھی اُس سے
طبیعت کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔مصر والوں نے ہفتہ کے خاص
خاص دن قرار دے رکھے ہیں جنمیں اُن کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؓ و امام شافعیؒ
وغیرہ کی روحانیں عالم بالا سے اپنے مزارات کیطرف متوجہ ہوتی ہیں۔ان خاص دنوں کو
حضرۃ کہتے ہیں اور جسکے حضرۃ کا جو دن ہوتا ہے اُس دن اُن کے مزار پر بڑی بھیڑ
ہوتی ہے۔کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور مرادیں
مانگتے ہیں۔اُسوقت لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے اُسمیں شرک و بت پرستی میں اگر کچھ
فرق ہے تو ایسا دقیق ہے کہ مجھ جیسے ظاہر بین کو نظر نہیں آسکتا تھا۔مجھکو ہندوستان
ہی کی قبر پرستی کا رونا تھا۔لیکن مصر پہنچکر تمام اسلامی دنیا کی نسبت یہ شعر یاد آیا ؎

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست	ز پائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم

قدیم زمانہ کے مدرسے جن کا اجمالی ذکر میں نے گزشتہ تعلیم میں کیا ہے اب
بھی موجود ہیں۔لیکن ویران ہوتے جاتے ہیں۔راہ چلتے چلتے اتفاق سے ایک مدرسہ
میں میرا گذر ہوا۔اگرچہ وہ محض ایک معمولی مدرسہ تھا۔لیکن عمارت خوشنما اور بہت اونچی
تھی۔چاروں طرف طالب علموں کے رہنے کے کمرے بیچ میں وسیع صحن صحن میں
دو ایک کیاریاں اور کھجور کے چند درخت ہیں۔غرض اُسکی حالت سے اندازہ ہوتا
تھا۔کہ چھوٹے سے مدرسہ کا ویران ہونے پر یہ حال ہے تو بڑے بڑے مدرسے زیادہ
پُر شان۔موزون اور خوبصورت رہے ہونگے ؂

مطابع و اخبارات

چونکہ مصر کی مطبوعہ کتابیں تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں اور عربی کتابوں

کے چھاپنے اور پھیلانے میں مصر نے عام ناموری حاصل کی ہے اسلئے ان مطبعوں اور
یہاں کے کتب فروشوں کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔
مطابع یہاں نہایت کثرت سے ہیں اور بعض بعض قابل تعریف ہیں بالخصوص
بولاق کا سرکاری مطبع عظیم الشان مطبع ہے اور صحت وصفائی وخوبی کاغذ و عمدگی طبع
کے لحاظ سے اپنا آپ نظیر ہے۔ یہ مطبع ۱۸۲۰ء میں محمد علی پاشا کے حکم سے قائم ہوا
اور اسوقت اسمیں چار سو آدمی کام کرتے تھے۔ اب بھی نہایت رونق پر ہے لیکن
افسوس اور سخت افسوس ہے۔ ملک کے مذاق کے خراب ہوجانے کی وجہ سے عمدہ
اور نادر المضمون کتابیں کم چھپتی ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں جو نایاب قلمی کتابیں موجود
ہیں انمیں سے اگر سو دو سو کتابیں بھی چھاپ دیجائیں تو دنیا معلومات مفیدہ سے
مالا مال ہوجائے۔ میں نے بعض و شخصیں مطبع والوں سے اس باب میں گفتگو کی انہوں
نے جواب دیا کہ اس قسم کی کتابیں عام پسند نہیں۔ عام پسند کتابیں البتہ بار بار
چھپتی ہیں اور بک جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ کتاب الخراج
قاضی ابو یوسف جو آٹھ برس سے پہلے چھپی تھی۔ اسکی جلدیں آجتک نہیں نکلیں افسوس
اور شرم کی بات ہے کہ کتب خانہ خدیویہ کی نادر کتابیں یورپ جاکر چھپتی ہیں اور وہاں سے
شائع ہوتی ہیں۔ سید عبد الواحد طوبے ایک مشہور تاجر ہیں۔ یورپ والوں نے
ان سے معاملہ کر رکھا ہے۔ وہ ان کے حسب فرمائش کتابوں کی نقل لکھوا کر
یورپ کو بھیجتے ہیں۔ چنانچہ سید عبد الواحد نے مجھ کو تین چار کتابوں کے قلمی
اجزا دکھلائے جو انہوں نے یورپ بھیجنے کے لئے نقل کرائے تھے۔
البتہ مصر کا یہ احسان ہے کہ کتابیں نہایت ارزاں ہیں جنکی وجہ سے انکا نفع بہت
عام ہے۔ میں نے بہت سی کتابیں خریدیں جو نولکشوری مطبوعات سے بھی کم قیمت
تھیں جن لوگوں کو مصر کی کتابیں مطلوب ہیں ان کو چاہیے کہ براہ راست مصر

منگوائیں۔ بمبئی سے منگوائیں جہاں مکے تک چھپ گئے نسخ پر بھی قناعت نہیں کرتے
مصر کی کتابوں کے لئے سید عبد الواحد طوبی سے خط و کتابت کرنی چاہئے اُنکا پتہ یہ ہے
مصر قاہرہ۔ قریب جامع الازہر۔ روپے منی آرڈر کے ذریعہ سے بے تکلف
بھیجے جا سکتے ہیں۔

اخبارات جو عربی زبان میں نکلتے ہیں تیس سے اوپر ہیں۔ انہیں المؤید المقطم۔
المقتطف۔ اہرام۔ زیادہ نام آور ہیں۔ انکے علاوہ ۲۵ - ۳۰ - اخبارات اور رسالے
فرنچ اور انگریزی زبان میں نکلتے ہیں۔

انگریزی گورنمنٹ کی بدولت یہاں کے اخباروں کو آزادی حاصل ہے اسلئے
یہ اخبارات ہر قسم کے معاملات پر نہایت آزادی سے لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں
چونکہ عربی زبان میں پالٹیکس پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہمارے ہندوستان
کے علماء اس قسم کے مضامین پر چار سطریں بھی نہیں لکھ سکتے اسلئے بعض بزرگوں کا
خیال تھا کہ پالٹیکس کے خیالات اس زبان میں پوری طرح ادا ہی نہیں ہو سکتے
لیکن مصر کے اخبارات نے اس خیال کو قطعاً باطل کر دیا ہے۔

ماہوار رسالے بھی متعدد ہیں اور بعض بعض بڑی بڑی قابلیت سے شائع ہوتے
ہیں ان میں سے مقتطف اور الہلال زیادہ کامیاب ہیں۔ الہلال ہمارے لجنۃ الادب
میں آتا ہے۔ آٹھ روپے سالانہ قیمت ہے۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ اور ارباب ذوق
بھی اسکی خریداری فرمائیں، اور فائدہ اُٹھائیں۔

لجنۃ یہ ایک انجمن ہے جو ہمارے مدرسۃ العلوم کے [illegible] سے قائم ہے ہر مہینے میں اسکے تین چار
اجلاس بحث طلب مضامین پر ہوتے ہیں اور جسقدر تقریریں اور سپیچیں کیجاتی ہیں۔ عربی زبان میں کیجاتی ہیں
بلکہ اسکی تمام کارروائی عربی زبان ہی میں ہوتی ہے۔ شاید تمام ہندوستان میں اس قسم کی یہ پہلی مجلس ہے
ہمارے قدیم مدارس عربیہ کو اس انجمن کی تقلید کرنی چاہئے۔

تھیٹر

تھیٹر یہاں دو تین ہیں۔ ایک سرکاری ہے جو خدیو اسمٰعیل پاشا کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ بڑے تکلف اور شان و شوکت کا ہے لیکن اس زمانہ میں بند تھا۔ اسلئے میں اسکی سیر نہ کرسکا۔ ایک اور تھیٹر ہے جو کسی عیسائی کمپنی کا ہے میں نے ایک دفعہ اسکی سیر کی۔ پردے اور ساز و سامان اچھے ہیں۔ تماشا یہ تھا کہ نیوبیا (یا) یونان (مقام یاد نہیں) کی ملکہ اور قیصر روم میں حدود مملکت کے متعلق جھگڑا ہے قیصر نے ملکہ سے بعض نئے ممالک طلب کیے۔ ملکہ نے انکار کیا۔ اسپر دو تین بار رد و بدل ہوئی یہانتک کہ جنگ چھڑ گئی اور بڑا معرکہ ہوا۔ عورت جو ملکہ بنی تھی اُسکا لباس بالکل یورپین تھا کمر میں ننگی تلوار تھی اور نہایت زیب دیتی تھی۔ ایکٹ بھی اُس نے خوب ادا کیا تھا۔ قاصد سے قیصر کا پیغام سنکر اُس کا تڑپ کر اُٹھنا۔ تلوار کو جنبش دینی اور پُر غیظ لہجہ میں یہ الفاظ کہنے کیف نرضی بمن الذل والھوان۔ ساتھ ہی عرب جاہلیۃ کے چند فخر آمیز اشعار کا پڑھنا واقعی عجیب اثر پیدا کرتا تھا۔ اشعار اُس نے گائے نہیں تھے بلکہ غیظ اور ادعا کے لہجہ میں ادا کئے تھے۔ لڑائی کے وقت دونوں فوجیں ہاتھ میں تلواریں لیکر دست بدست لڑیں۔ تلواروں کے وار صاف نظر آتے تھے اور جو لوگ زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اُنکی لڑکھڑاہٹ اور بے اختیار زمین پر گرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ سب سے زیادہ مجھکو جو چیز پسند آئی وہ یہ تھی کہ اخیر میں سب نے خدیو کی سلامتی کا گیت گایا۔ پورا گیت یاد نہیں مگر یہ الفاظ ضرور تھے۔ العیش تم۔ والنفع عم۔ من الخدیو لمی ترم۔ اسیطرح اور متعدد ہم قافیہ ضرور تھے۔ ہر ہر فقرہ پر آواز کا چڑھاؤ اُتار۔ عربی لہجہ کے ساتھ نغمہ طرازی۔ اصول موسیقی کا لحاظ اور سب سے بڑھکر یہ خیال کہ اس جوش سے خدیو کی سلامتی کا راگ گانیوالے سب عیسائی ہیں۔ میرے دل پر عجیب اثر کرتا تھا۔

تنیفر ہندوستان کا ہو خواہ عرب اور مصر کا میرے نزدیک اسکی شرکت وقار و
شائستگی کے خلاف ہے لیکن اسلامی سلطنت کی ہر چیز عزیز معلوم ہوتی تھی +

شعر

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل + میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کلب و انجمنیں

انجمنیں یہاں کثرت سے ہیں اور اُن کے مختلف مقاصد ہیں - ۹ خیراتی ہیں جنکا
مقصد غریبوں کی امداد و اعانت ہے - لیکن تعجب ہے کہ ان میں ایک بھی مسلمانوں کی
نہیں علمی انجمنیں بھی متعدد ہیں جنمیں **جمعیۃ العلماء المصریۃ** جو ۱۸۵۹ء میں قائم
ہوئی اور **المجمع العلمی الجغرافی** جس کو خدیو اسمٰعیل پاشا نے ۱۸۷۵ء میں قائم
کیا زیادہ نامور اور فائدہ رساں ہیں - ڈیبٹنگ کلب یعنی **مناظرہ** کی مجلسیں نہایت
کثرت سے ہیں اور اُنکی وجہ سے مصریوں نے لکچر و اسپیچ کے فن میں بہت ترقی کی
ہے ایک مجلس میں میں خود شریک ہوا - صدر کی جانب ایک بلند چبوترہ تھا جسپر
صدر انجمن اور سکرٹری کی کرسیاں بچھی تھیں - عام حاضرین بنچوں پر تشریف فرما تھے
میرے سامنے چار پانچ شخصوں نے گفتگو کی - انکی تقریریں ایسی برجستہ پُرزور اور فصیح
تھیں کہ مجھ پر ایک حیرت سی طاری تھی - تعجب یہ ہے کہ مصریوں کی عام بول چال نحو
کے لحاظ سے محض غلط بلکہ بے معنی ہوتی ہے - لیکن اس قسم کے موقعوں پر نہایت
شستہ عربی بولتے ہیں اور تکلف و آورد کا نام نہیں ہوتا - اس قسم کی مجلسوں اور
اخبارات کی آزادی کی وجہ سے مصریوں میں جو عام زندہ دلی - آزادیٔ خیالات

لہ اس انجمن نے جغرافیہ کے متعلق نہایت نادر تحقیقات اور معلومات فراہم کیں جو مستقل رسالہ کی صورت
میں چھپکر شائع ہوئی ہیں - اس انجمن کا ایک خاص مکان اور کتبخانہ اور دیگر لوازمات ہیں ۱۲

جرأت اور حوصلہ مندی پیدا ہوگئی ہے ترکی ممالک بلکہ کل موجودہ اسلامی حکومتوں
میں اسکا پرتو تک نہیں +

مولد نبوی

مصر والوں کو حقیقت میں اس بات پر ناز کرنا چاہئے کہ مولد کے اصلی معنی اگر
سمجھے تو انہیں نے سمجھے۔ یہاں مولد کا طریقہ یہ ہے کہ شہر سے باہر ایک وسیع خطہ زمین
ہے جسکو ایک معزز خاتون نے اسی کام کیواسطے وقف کر دیا ہے۔ اس میدان میں تین
طرف نہایت ترتیب اور سلیقہ سے خیمے اور شامیانے نصب ہوتے ہیں اور بیچ کی زمین
بطور صحن کے چھوڑ دیجاتی ہے صحن بالکل دائرہ کی ہیئت میں ہوتا ہے اور اس کے
ہر چہار طرف سرخ جھنڈیاں کھڑی کیجاتی ہیں۔ خیمے اور شامیانے چونکہ عموماً پاشاؤں
اور امراء کے ہوتے ہیں نہایت تکلف اور نفاست سے آراستہ کئے جاتے ہیں ہر پاشا
اور امیر اپنا خیمہ جداگانہ طرز سے آراستہ کرتا ہے جھاڑ و فانوس کی روشنی ہوتی ہے
اور کثرت سے ہوتی ہے۔ ہر خیمہ میں شربت یا چائے یا اور کوئی اس قسم کی چیز ہر وقت
مہیا رہتی ہے۔ جو وقت کوئی شخص اگرچہ وہ عام تماشائی ہر خیمہ میں داخل ہوتا ہے تو
چائے یا شربت سے اُسکی تواضع کیجاتی ہے +

خدیو کا خیمہ جس میں اُنکی طرف سے اُنکا نائب شریک ہوتا ہے سرخ ہوتا ہے
اور نہایت پُرشان و پُر رونق ہوتا ہے۔ ہر خیمہ میں خاص خاص گروہ کے فقراء اور صوفیہ
جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے موافق ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کا طریقہ ہندوستان
کے فقراء سے بالکل جدا ہے سب لوگ حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر کے خاص
الفاظ ایکساتھ بلند آواز سے کہتے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ رکوع کے قریب
جھک کر کمر اور گردن کو عجیب طور پر حرکت دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دور سے دیکھے تو
اُسکو ورزش کا دھوکا ہو درویشان رقاص کا طریقہ اور بھی عجیب ہے اور سچ یہ ہے۔ کہ

فقر و تصوف کی تضحیک و توہین ہے۔ ان لوگوں کا لباس ایک خاص وضع کا ہوتا ہے پوری ہیئت تو خیال میں نہیں لیکن اسقدر یاد ہے کہ نیچا جامہ اور کمر میں سبز پٹکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صف باندھکر بیٹھتے ہیں اور ان میں جو شخص ذکر کرنا چاہتا ہے وہ وسط محفل میں جاکر ناچنا شروع کرتا ہے لوگوں کا بیان ہے کہ ناچ کے تمام اصول ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے جو دیکھا اسیقدر تھا کہ وہ شخص ایک جگہ کھڑا ہوکر پھرکی کی طرح چکر لگاتا تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ تک اسی طرح ناچتا رہا۔ لیکن ہاتھ یا کسی اور عضو کو حرکت نہیں ہوتی تھی۔ ایک اور گروہ تھا۔ جسکا طریقہ کسیقدر اس سے مختلف تھا۔ ان لوگوں کے جامے اونچے اور زیادہ گھیردار تھے۔ قریباً جس طرح گناگرہ والی پلٹن۔ ناچنے کیوقت یہ لوگ دونوں ہاتھ پھیلا کر ناچتے تھے۔

مجھ کو سخت افسوس ہوا کہ اس بیہودہ طریقہ کو یہ لوگ عبادت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ غوث۔ قطب۔ ابدال۔ اوتاد کے رتبہ تک ترقی کرتے ہیں۔ ع وللناس فیما یعشقون مذاھب۔

درویشان رقاص کا ذکر ضمناً آگیا تھا۔ اب میں اصل واقعہ یعنی مولد کی کیفیت کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ پہلی تاریخ سے یہ اجماع شروع ہوتا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہانتک کہ بارھویں کی شب کو اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ کشمکش سے جگہ نہیں ملتی۔ صبح کو سب لوگ خصوصاً نائب الحکومت۔ قاضی مفتی۔ شیخ الازہر مشہد حسین میں جمع ہوتے ہیں اور ایک عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے حالات پڑھتا ہے ولادت کے ذکر کیوقت معمول کے موافق قیام ہوتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مجلس ختم ہو جاتی ہے جسکے ساتھ مولد کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

مولد کا یہ طریقہ اس لحاظ سے مجھ کو بہت پسند آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر جس جوش اور مسرت کا اظہار ہونا چاہیئے وہ اسی طریقہ سے ہونا چاہیئے

چھوٹی چھوٹی مجلسوں میں یہ اجماع - شان و شوکت - سروسامان کہاں ؟ لیکن دو تین باتیں قابل اعتراض ہیں - اول یہ کہ گیارھویں اور بارھویں کو آتشبازی ہوتی ہے اور یہ امرایسی مقدس رسم کے شایاں نہیں - دوسرے یہ کہ لوگوں کا اجتماع دیکھکر اس مجمع کے قریب سڑکوں پر تھیٹر وغیرہ قایم ہوجاتے ہیں حکومت کو چاہیئے کہ ان کو قطعاً روک دے ❋

اہل کمال اور مفید تصنیفات

قسطنطنیہ کیطرح یہاں بھی علما اور مصنفین کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مذاق بالکل الگ الگ ہے - ازہر کے شیوخ اور تلامذہ میں سے بعض بعض اپنے فن یعنی نحو و فقہ میں کامل خیال کیے جاتے ہیں لیکن اُنکے کمال کا تمام تر مدار صرف جزئیات کے حفظ پر ہے جسمیں تحقیق و اجتہاد کا شایبہ نہیں - خود شیخ ازہر جنکو امام الفن کہا جاتا ہے - کسی فن میں اُنکی کوئی محققانہ تصنیف نہیں - نئی تعلیم نے بھی اگرچہ اب تک کوئی بڑا صاحب کمال نہیں پیدا کیا لیکن اُس میں تحقیق و اجتہاد کی جھلک پائی جاتی ہے اور تصنیفات میں یورپ کا انداز ہے - میں ان دونوں گروہوں میں سے بعض مشاہیر کا حال لکھتا ہوں -

علی پاشا مبارک

مصر کے سررشتہ تعلیم میں جو کچھ اصلاح و ترقی ہوئی ہے - انہیں کی بدولت ہوئی ہے سولہ برس کی عمر تھی کہ یہ سنہ ۱۲۵۵ ہجری میں مدرسہ مہندس خانہ میں داخل ہوئے سنہ ۱۲۶۰ھ میں محمد علی پاشا کے بیٹوں کے ساتھ فرانس کا سفر کیا اور کئی برس وہاں رہکر متعدد ڈگریاں حاصل کیں سنہ ۱۲۸۵ھ میں اُنکو دفتر مدارس اور نظارت اوقاف کی خدمت سپرد ہوئی - اسی زمانہ میں اُنہوں نے بہت سے علمی کام کیے - خانگی مکاتب کی اصلاح کی - اصلاح میں صدر مدارس قایم کیے - دار العلوم کی بنیاد ڈالی - کتب خانہ خدیویہ قایم کیا - سنہ ۱۲۸۵ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوئے اور تعلیم کو نہایت ترقی دی - خود بھی صاحب تصنیف و تالیف ہیں - مقریزی کے خطط و

آثار کا نہایت عمدہ حملہ لکھا ہے شہنشاہ فرانس اور شاہ آسٹریا نے اُنکو اعزاز کے تمغے بھیجے ہیں۔ انکی ملاقات کا بہت شائق تھا لیکن بدقسمتی سے اس زمانہ میں خدیو کیساتھ اسکندریہ چلے گئے تھے۔ تین چار مہینے ہوئے اُنہوں نے انتقال کیا اُنکے جنازے میں تمام اعیان سلطنت شریک تھے۔ حال میں اُنکی سوانحعمری لکھی گئی اور شائع ہوئی ہے۔

علی پاشا ابراہیم

یہ نہایت روشنضمیر تعلیم یافتہ شخص ہے ۱۲۶۰ھ ہجری میں تعلیم کی غرض سے فرانس گیا اور پانچ برس رہکر اعلیٰ درجہ کی ڈگری حاصل کی ۱۲۹۶ھ میں ڈائرکٹر تعلیم مقرر ہوا معلمین کے مدارس اوّل اسی نے قائم کئے۔ سلطنت فرانس نے اسکو افیسر کے درجہ کا تمغہ بھیجا جو مشہور اہل کمال کے سوا کسی کو نہیں دیا جاتا۔

امین بک فکری

ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ فرانس میں تعلیم پائی ہے۔ سویڈن میں جو اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی اُس میں سلطنت مصر کیطرف سے وکیل مقرر ہوکر گئے تھے۔ چنانچہ حالات سفر میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جسکے دیکھنے سے انکی قوت تحریر کا اندازہ ہوتا ہے اس کتاب کی قیمت آٹھ روپے ہے اور واقعی قابل سیر کتاب ہے۔

احمد زکی

محکمہ ترجمہ کے سکرٹری ہیں۔ فرنچ نہایت عمدہ جانتے ہیں۔ غلامی کے مسئلہ پر ایک رسالہ فرنچ میں لکھا تھا جو نہایت مقبول ہوا اور فرانس کے مشہور اخبارات اور ارباب تصنیف نے اسپر آرٹکل اور ریویو لکھے۔ چنانچہ اصل رسالہ معہ ریویو وغیرہ کے عربی میں ترجمہ ہوکر چھپا ہے جسکا نام الرق فی الاسلام ہے انکی اور بھی مفید تصنیفات ہیں۔ لندن

میں جو اخیر اورینٹل کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں یہ وکیل مقرر ہو کر گئے تھے ۔

شیخ محمد عبدہ

پرانے تعلیم یافتہ ہیں - فن ادب میں تمام مصر و شام انکو استاد الفن تسلیم کرتا ہے -
مقامات بدیع کی شرح نہایت قابلیت سے لکھی ہے - روشنضمیری کیساتھ نئے مذاق سے آشنا
ہیں جسکا سبب سید جمال الدین افغانی کا فیض صحبت ہے - سید موصوف کے ایک رسالہ عربی
میں ترجمہ کیا ہے اور اُسکے دیباچہ میں مختصر طور پر اُنکی سوانح عمری لکھی ہے ہیں اُس کے
بعض فقرے اس مقام پر لکھتا ہوں جس سے شیخ موصوف کی مہارت فن اور زور تحریر کا انداز
ہو گا - ہمارے ملک میں جو لوگ فن ادب کو لئے بیٹھے ہیں انکو اس طرز کی تقلید کرنی چاہئے
اور واقعات نگاری کا یہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے - جہاں سید موصوف (جمال الدین
افغانی) کے حلیہ اور اخلاق و اوصاف کا ذکر آگیا ہے وہاں لکھا ہے -

میں اُن سے ملا تھا دیر تک لطف کی صحبت رہی ازہر کی ابتری تعلیم پر افسوس

کرتے تھے۔ لیکن اُسکے ساتھ نئی تعلیم کے بھی سخت شاکی تھے۔ اور کہتے تھے کہ ھو الداء الضل سبیلا۔ افسوس ہے کہ گورنمنٹ مصر نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا ہے۔ وہ سررشتہ تعلیم کے لئے زیادہ موزوں تھے چنانچہ خود بھی اسکا افسوس کرتے تھے۔

شیخ حمزہ فتح اللہ

پرانے تعلیم یافتہ اور پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ فن ادب کے بڑے اُستاد ہیں دارالعلوم میں ادب کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ انہیں کا انتخاب ہے۔ سررشتہ تعلیم کے انسپکٹر ہیں۔ سویڈن کی اورینٹل کانفرنس میں مصری سفارت کے ساتھ ممبر مقرر ہو کر گئے تھے۔ اور کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک رسالہ پیش کیا تھا جسکا نام حقوق النساء فی الاسلام ہے۔ یہ رسالہ سرکاری مطبع میں چھاپا گیا ہے۔ اگرچہ اصل موضوع پر بہت کم لکھا ہے اور جسقدر لکھا ہے وہ بھی مولویانہ لکھا ہے تاہم عبارت نہایت اُستادانہ بلند اور پُرزور ہے۔

مجھ سے اِن سے نظارۃ المعارف کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیر تک علمی تذکرے رہے۔ رسالہ مذکور کی پانچ جلدیں تحفہ کے طور پر عنایت کیں۔ کچہری سے اُٹھکر اپنے مکان پر لے گئے اور اصرار کرکے کھانا کھلایا کھانا نہایت سادہ یعنی خشک روٹی اور کھجوریں تھیں۔ چونکہ وہ عربی زبان کے اُستاد ہیں اور عرب کے ساتھ اُنکو خاص محبت اور لگاؤ ہے اُنکا سادہ عربی کھانا ایک اثر پیدا کرتا تھا۔

لطیفہ۔ میں اور شیخ موصوف کھانا کھا رہے تھے کہ قریب سے ہیچوں ہیچوں کی آواز آئی میں حیران تھا کہ یہ انکر الاصوات کہاں سے آتی ہے۔ دیکھا تو ایک حجرہ میں گدھا بندھا ہے معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں گدھا باندھنا معیوب نہیں۔ اگرچہ میں بازار میں اکثر لوگوں کو حتی کہ انگریزوں کو گدھے پر سوار پھرتے دیکھ چکا تھا بلکہ خود بھی دو ایک بار یہ شرف

حاصل کر چکا تھا تاہم مجھ کو یہ توقع نہ تھی - کہ بھلے آدمیوں کے ہاں گھوڑوں کی طرح گدھوں کا
بھی اصطبل خانہ ہوتا ہے ؛

سفر کا خاتمہ اور عربوں کے فیاضانہ اخلاق

مصر کی روانگی کیا تھی گویا میرے سفر کا بھی خاتمہ ہو گیا - کیونکہ اسکے بعد نہ کوئی نئی
آبادی دیکھی نہ کوئی جدید واقعہ پیش آیا - میں نے سفر کا تمام زمانہ اضعاف توقع انتہا
لطف - آرام - دلچسپی اور اطمینان کے ساتھ بسر کیا - لیکن اس موقع پر یہ بتانا میرا
فرض ہے کہ یہ لطف و آرام مجھکو کیوں نصیب ہوا ؟ اور کن لوگوں کی وجہ سے ہوا ؟ ان
سوالوں کا صرف ایک جواب ہے یعنی عربوں[1] اور ترکوں کے فیاضانہ اخلاق حقیقت یہ ہے
کہ اگر عربوں کی کریم الاخلاقی سے مجھکو سابقہ نہ پڑتا تو سفر کی دلچسپیوں کا کیا ذکر ہے زندگی
دوبھر ہو جاتی - یہ ظاہر ہے کہ کسی شہر میں جا کر رہنا کھانا پینا - ملنا جلنا - خرید فروخت
سیر و تماشا - حالات کی تحقیق و جستجو - دریافت طلب امور کی تلاش - غرض تمام باتیں
زبان کے جاننے پر موقوف ہیں اور میں ترکی زبان سے بالکل ناواقف - عربی زبان جسقدر
جانتا تھا وہ بھی بیکار یا قریب بیکار تھی - اسقدر دولتمند بھی نہ تھا کہ بیدریغ روپیہ کے
کے صرف سے اس کمی کا تدارک کر سکتا - ایسی حالت میں چھ مہینے کا زمانہ اس لطف و آرام
سے بسر کرنا گویا میں وطن ہی میں تھا صرف ترکوں اور خاصکر عربوں کی عنایت تھی تیمارداری
کرتے تھے بازار سے چیزیں لا دیا کرتے تھے - لوگوں سے ملاقاتیں کراتے تھے - قابل
سیر مقامات میں رہبر بنتے تھے دل لگی کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے - غرض
کوئی ایسا کام اور ایسی ضرورت نہ تھی جسکے یہ کفیل نہ تھے - اور لطف یہ کہ بے غرض بے سبب
صرف مہمان پرستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے - تمام وہ جزئی واقعات جنکی مجھکو ان

[1] شام و مصر کے اکثر مسلمان عرب کی نسل سے ہیں - اسوجہ سے میں تمام شامیوں اور مصریوں کو بلحاظ
اختصار عرب سے تعبیر کرتا ہوں ؛

لوگوں کے فیاضانہ اخلاق کا تجربہ ہوا اُن کو بیان کرنا نا ممکن ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین
واقعے لکھتا ہوں۔ شیخ عبدالفتاح۔ شیخ علی الببلاوی۔ خوجی افندی۔ عبدالباسط افندی
شیخ عبدالحلیم آفندی۔ عبدالسلام آفندی کی فیاضیوں کے واقعات جن کو میں پہلے
لکھ آیا ہوں۔ اس موقع پر ایک بار پھر دہرانا چاہیے ؏

جس زمانہ میں قسطنطنیہ میں مقیم تھا۔ عبدالسلام آفندی کے بڑے بھائی شاکر آفندی
مدینہ کی ضرورت سے قسطنطنیہ میں آئے۔ عبدالسلام آفندی نے گو اپنے پاس ٹھہرانا
چاہا لیکن اُنکے گھر میں جگہ نہ تھی۔ مجھ سے کہا کہ اپنے مکان میں ٹھہرا لو۔ چنانچہ کئی دن انکی خاطر
سے گذار کیے۔ میری روانگی کا زمانہ قریب آیا۔ تو انھوں نے کہا کہ میں بھی آمادہ سفر ہوں۔
ساتھ ہوتا تو خوب تھا لیکن اسوقت میرے پاس روپے نہیں۔ آمدنی کے کچھ روپے مدینہ سے
ہیں اُنکے آنے کا انتظار ہے۔ چونکہ وہ سامان بیت المقدس کے رستہ سے آتے تھے مجھکو خیال
ہوا کہ انکی وجہ سے آسائش آرام کے علاوہ بیت المقدس میں مجھکو ہر ایک چیز کی
تحقیق و اطلاع میں بہت مدد ملیگی۔ میں نے اُن سے کہا کہ روپے مجھ سے لے لیجیے۔ وہاں
چلکر ادا کر دیجیئے گا۔ انھوں نے انکار کیا اور باوجود اصرار کے کسی طرح رضامند نہ ہوتے تھے
لیکن میں نے اسقدر مجبور کیا کہ وہ انکار نہ کر سکے۔ اور میں نے اُسیوقت لاکر روپیہ انکے حوالہ
کر دئے۔ عبدالسلام آفندی اُسوقت مکان پر نہ تھے۔ شام کو جب آئے اور بات بات
میں یہ تذکرہ آیا انھوں نے یہ واقعہ سنکر سر پیٹ لیا اور نہایت پریشان ہوئے۔ اور بار
بار کہتے تھے کہ شو فعلت شو فعلت یعنی تم نے یہ کیا غضب کیا۔ اگرچہ میرا بھائی ہے
لیکن نہایت آوارہ ہے اور اُسی نے کئی دفعہ فریب دیکر روپے لئے اور ضائع کر دیے
[illegible] ہیں سکتے۔ لیکن عبدالسلام آفندی کو نہایت بڑا اضطراب تھا۔ شاکر
آفندی گھر میں آئے تو عبدالسلام آفندی نے انکو سخت ملامت کی اور اُسی وقت دلا دیے
ادا کرا دیے اپنی اور ایک اور شخص کی [illegible] مجھکو الگ لیجا کر کہا کہ قومی بدنامی کا

تنخواہ اب - اس لئے مجھ کو اب بھائی کی پردہ دری کرنی پڑتی ہے - یہ لڑکا شاکر کا
آوارہ مزاج اور بدمعاش ہے - اسکی کوئی ذاتی جائداد بھی نہیں - اسکا چچا عبدالرزاق اس
کا کفیل ہے - یہ دستاویز انہی کے حوالہ کرنا وہ تم کو روپے دیدینگے -
غرض دوسرے دن شاکر میرے ساتھ جہاز پر سوار ہو لئے - سمرنا میں پہنچے تو شاکر
کے نام اسکے چچا کا تار آیا کہ فوراً واپس آؤ - شاکر نے مجھ سے کہا کہ میں تم کو چھوڑ کر کیونکر
جا سکتا ہوں - میں نے انکا روکنا مناسب نہ سمجھا اور بخوشی بلکہ باصرار ان کو واپس بھیجا
بیروت میں پہنچکر میں عبدالرزاق کے پاس گیا - اور مجھ کو اس موقع پر مجبوری اور
افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ سخت بد اخلاقی کی - اسکی
شکایت نہیں کہ روپے نہیں دیے تعجب یہ ہے کہ کج اخلاقی سے پیش آئے - دوسرے
دن میں نے مفتی صاحب (جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے) کے پاس جا کر ان سے سارا
قصہ کہا اور دستاویز دکھلائی - مفتی صاحب نے عبدالرزاق کے پاس آدمی بھیجا - انہوں نے
کہلا بھیجا کہ "اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں - دو چار دن کے بعد البتہ ادا کر سکتا ہوں"
مفتی صاحب کو چونکہ اطمینان تھا وہ یہ کہکر چپ ہو رہے کہ ضرور مل جائینگے - لیکن اور لوگ
جو وہاں موجود تھے - اور عبدالرزاق کے ساتھ ان کے ممبر تھے سخت برہم ہوئے تھے اور غصہ
میں آکر کہتے تھے - واللہ یبیع لحیتہ [illegible] یعنی یہ اپنی داڑھی بیچے [illegible]
دوسرے دن میں مفتی صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے [illegible] یعنی دو سو روپیہ
اپنے پاس سے دیئے - میں نے کہا "آپ اپنی طرف سے دیتے ہیں تو میں لینا نہیں چاہتا"
فرمایا کہ "نہیں عبدالرزاق نے مجھے حوالہ کر دیا ہے - لیکن اگر وہ نہ بھی دیتے اور میرے
پاس روپے نہیں ہوتے تو میں اپنا [illegible] بیچکر دیتا" باوجودیکہ مفتی صاحب اور دیگر حاضرین
کو سخت ندامت تھی - وہ لوگ مجھ سے نہایت الحاح سے معذرت کرتے تھے بار بار کہتے
تھے کہ "ہماری آنکھ تم سے برابر نہیں ہوتی" - میں جب رخصت ہو کر چلا تو مفتی صاحب نے

کچھ دور تک مشایعت کی اور کہا الرجو منکم ان تستروا عیوبنا فانہ من شیمۃ الکرام
یعنی "مجھ کو امید ہے کہ آپ ہمارے عیب پر پردہ ڈالینگے۔ کیونکہ شرفا کا کام پردہ پوشی ہے"
مفتی صاحب اور ان ہمنشینوں کو عبد الرزاق کے برتاؤ پر جو ندامت تھی۔ اور جس طرح
وہ بار بار مجھ سے معافی چاہتے تھے۔ اُسکا اثر اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اسکندریہ پہنچکر (جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں) ناواقفیت کی
وجہ سے مجکو سخت پریشانی ہوئی چونکہ ریل میں دیر تھی ایک قہوہ خانہ میں جو اسٹیشن سے
متصل تھا جا بیٹھا۔ وہاں ایک شامی عرب تشریف رکھتے تھے۔ مجکو غیر ملک کا آدمی
سمجھکر یا معلوم نہیں کیوں ؟ بڑے تپاک سے پیش آئے وہ **قاہرہ** کو جارہے تھے میں نے
اُن سے کہا کہ میں ہمسفر ہوں اور چونکہ ناواقفیت کی وجہ سے مجکو ہر موقع پر نقصان اور
تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قاہرہ تک میرا آپ کا ساتھ ہے انہوں نے
کہا کہ بالراس والعین۔ اُنکی وجہ سے مجھ کو تمام سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔
قاہرہ پہنچے تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ مجھ کو کسی ہوٹل کا نام بتائیں جو جامع ازہر کے
قریب ہو اور فیس بھی زیادہ نہ ہو۔ میں نے تو صرف پتہ بتانے کو کہا تھا۔ وہ دو روز تک
میرے ساتھ ہوٹل میں مقیم رہے۔ تیسرے دن کہا کہ "میں ایک ضرورت سے قاہرہ آیا تھا
اور دو تین دن میں مجھ کو واپس جانا ہے اگر آپ اجازت دیں تو رخصت ہوں"۔
یہ کہکر ہوٹل کے خانساماں کو دو دن کا کرایہ اور کھانے کی فیس حوالہ کی میں نے ہرچند اصرار
کیا کہ میری فیس آپ کیوں دیتے ہیں نہ مانا اور کہا کہ آپ اسوقت تک ہمارے مہمان
تھے یہ کہکر رخصت ہوگئے اور مجکو سخت افسوس رہا کہ دوبارہ اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔

حال کی عربی زبان

چونکہ سفرنامہ کے لوازم میں ایک یہ بھی ہے کہ جس ملک کے حالات لکھے جائیں وہاں کی

زبان مروجہ سے بھی بحث کیجائے۔ ہماسی لئے ہمال کی عربی زبان کی نسبت جو تمام اضلاع شام اور مصر کی زبان ہے کچھ لکھنا ضرور ہے۔ اس سے ہمارے ہموطنوں کو بھی فایدہ پہنچیگا جو مصر وشام کے اخبارات کے نہایت شائق ہیں۔ لیکن مروجہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اُن سے متمتع نہیں ہوسکتے۔

موجودہ عربی۔ قدیم عربی سے اسقدر مختلف ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی بڑا عالم اگر مصر وشام کا سفر کرے تو اسکو وہاں کی زبان کے سمجھنے میں قریباً وہی وقت ہوگی جو ایک عامی کو ہوسکتی ہے۔ زبان موجودہ کی وہ خصوصیتیں جنکی وجہ سے وہ قدیم زبان سے مختلف ہوگئی ہے مختصر طور پر ذیل میں درج ہیں۔

(۱) بہت سے الفاظ اسقدر مختصر کر لیے گئے ہیں کہ جب تک کوئی شخص نہ بتائے اصلی الفاظ کیطرف ذہن منتقل نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے چند الفاظ یہ ہیں۔

لفظ تبدیل شدہ	اصل	معنے
بِشُو	اَیُّ شَیٍٔ	کلمہ استفہام۔
مُوش	مَاھُوَ شَیْئٌ	حرف نفی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔
مَاعَلَیشَ	مَاعَلَیْہِ شَیْئٌ	کچھ ہرج نہیں۔ کچھ مضائقہ نہیں۔
بِلَاشْ	بِلَا شَیٍٔ	مفت۔ اور پہلے لفظ کے معنوں میں ہی مستعمل ہوتا ہے۔ یعنی کچھ ہرج نہیں۔
ھیکِہ	ھٰکَذَا	اس طرح
ھَادُوْل	ھٰذِہٖ ھُوَ لَاءِ	یہ لوگ
قَدَّیشْ	قَدْرَ اَیِّ شَیٍٔ	کسقدر

(۲) الفاظ کے اول یا اخیر میں بعض حرف زیادہ کر لیے ہیں جس سے لفظ کی صورت

بالکل بدل جاتی ہے مثلاً شام میں تمام افعال مضارع کے اوّل ب زاید کر دیتے ہیں
ان الفاظ کو ۔ اقول ۔ ما اعرف ۔ یوں کہتے ہیں ما باقول ۔ ما باعرف مصر میں الفاظ
الفاظ کے اخیر میں شین بڑھاتے ہیں مثلاً یاخذ کے بجائے یاخذش ۔

(۳) حروف کا تلفظ نہایت خراب ہوگیا ہے ۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ عربی تلفظ
کی تمام خصوصیتیں مٹ گئیں ۔ قاف کے بجائے ہمزہ جیم کے بجائے گاف ۔ ذال کے بجائے
دال عین کے بجائے ہمزہ بولتے ہیں ۔ اور نہ صرف جاہل اور عامیوں کا یہ تلفظ ہے
بلکہ علما اور اشراف بھی ان حرفوں کو اسی طرح ادا کرتے ہیں ایک دفعہ مصر میں میں نے
ایک طالب العلم سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے گائی من الگامع (جائی
من جامع) یعنی میں جامع مسجد سے آرہا ہوں ۔

(۴) بہت سے قدیم الفاظ ہیں جنکا طرز استعمال بدل گیا ہے ۔ مثلاً جب کسی شخص
کی تعریف یا اسکا شکریہ ادا کیا جائے تو وہ جواب میں کہیگا استغفر اللہ یعنی میں
کس قابل ہوں ۔ یا کوئی تعجب انگیز بات کسی کے سامنے بیان کیجائے تو وہ کہیگا آہا آہا
یا مثلاً یہ کہنا ہو کہ ہم کو اس سے کیا غرض ہے تو کہینگے شو بالک ۔ شو ۔ ای شی کا مخفف
ہے اور بال وہی لفظ ہے جسکو ہم لاابالی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں ۔

(۵) یورپ کے الفاظ نہایت کثرت سے استعمال میں آگئے ہیں ۔ اور چونکہ کسیقدر
انہیں تغیر کر لیا گیا ہے عربی دان اور انگریزی دان دونوں کے سمجھنے میں دقت ہوتی
ہے ۔ اس قسم کے چند الفاظ مثالاً درج ہیں ۔

الفاظ معربہ	الفاظ اصلی	الفاظ معربہ	الفاظ اصلی
تلغراف	ٹیلیگراف	فوتوغراف	فوٹوگراف
بروجرامہ	پروگرام	بوستہ	پوسٹ ۔ ڈاک
قومندان	کمانڈر	باریز	پیرس (دارالسلطنت فرانس)

الفاظ معرّبہ	الفاظ اصلی	الفاظ معرّبہ	الفاظ اصلی
ترماسیوں	کمیشن	سیغکارہ	سگرٹ
افوکاتو	ایڈوکیٹ	انکلترا	انگلستان
شلین	شلنگ	امبراطور	امپرر
غاز	گیس	لندرا	لندن
بازابورٹ	پاسپورٹ	ژونرال یا جنرال	جنرل
اوروپہ	یورپ	جمباز	جمناسٹک
میکانک	مشین (کل)		

اب ہم زبان حال کے الفاظ کی ایک مختصر سی فرہنگ درج کرتے ہیں۔ اسمیں اکثر ایسے الفاظ بھی ہیں جو آج سے پانچ چھ سو برس پہلے ایجاد ہو چکے تھے۔ لیکن چونکہ تصنیفات وغیرہ میں انکو رواج عام حاصل نہیں ہوا تھا وہ بھی نئے الفاظ خیال کئے جاتے ہیں خاص اس قسم کے الفاظ پر میں (ق) کی علامت لکھونگا جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ قدیم الفاظ ہیں۔

لفظ	معنے	لفظ	معنے
	(الف)	اوضۂ یا اودہ	کمرہ (مکان کا)
اِمضاء	دستخط	آغا جمع اغوات	خواجہ سرا
المان (جرمنی لفظ ہے)	سلطنت جرمن	امتیاز	لائسنس
اجزا خانہ (ترکی لفظ ہے)	دوا خانہ	اغراض	اسباب
اسطول	جنگی جہاز یا جہازوں کا بیڑہ	ادب خانہ	پاخانہ

لفظ	معنے
انتیکه خانه	قدیم اشیاء کا عجائب خانہ
اشتراک الجریدة	اخبار کی خریداری اور اخبار کی قیمت کو بلاد الاشتراک کہتے ہیں

(ب)

لفظ	معنے
بتاته	آلو
(ق) برطلا ۔ جمع براطیل	رشوت
بلدیة	میوسپلٹی
باخرہ	دخانی جہاز
(ق) برنامج ۔ نادرو لفظ ہے	فہرست
براد	چائدان
بیت الماء	پاخانہ
(ق) بدری	سویرا
بکیر	سویرا
باش کاتب ۔ ترکی ہے	میر منشی

(ت)

لفظ	معنے
تلة	آثار بلند
تومة	[illegible]
تموینات عسکریہ	قواعد فوج [1]
تشخیص	تھیٹر میں ایکٹ کرنا
تذکرہ	پروانہ ۔ ٹکٹ ۔ سند
تطعیم الجدری	چیچک کا ٹیکا
تمرینات جسدیہ	ورزش

(ث)

لفظ	معنے
ثورة	بغاوت
(ق) ثریا	جھاڑ (روشنی کا)
ثعب	لمبا کرنا

(ج)

لفظ	معنے
(ق) جریدہ جمع جرائد	اخبار
(ق) جبن	پنیر
جوخ	بانات
جمعیة	انجمن

[1] پہلی فوج کی تنخواہ کے رجسٹر کو کہتے ہیں

لفظ	معنے
جمرک (یا) گمرک۔ ترکی ہے	چنگی
جنینۃ	باغ
(ح)	
حوائج	میلے کپڑے جو دھونے کو دیئے جاتے ہیں
(ق) حراقۃ	تارپیڈو کی کشتی
(ق) حلیب	دودھ
حزب الاحرار	لبرل پارٹی
(خ)	
خریطہ	نقشہ (جغرافیہ کا)
(ق) خان	سرائے یا ہوٹل
(د)	
دیجانس (عربی نہیں ہے)	شکرم
دائرہ	محکمہ۔صیغہ
دقیقہ	منٹ
(ر)	
(ق) ربان	کپتان جہاز
روایۃ	ناول۔قصہ
رومان۔ انگریزی لفظ ہے	ناول قصہ
ریش	نب۔ انگریزی قلم کی زبان
ربطۃ الرقبہ	نکٹائی
رصاص	بندوق کی گولی
	تصویر۔نقشہ
(ز)	
زنار	پیٹی
(س)	
(ق) ساعۃ	گھڑی جس سے وقت معلوم ہوتا ہے
سکورتہ۔ انگریزی سے ماخوذ ہے	ریلوے
سجادہ	بیمہ کرنا
سیاسیہ	قالین۔ دری
سریر	پالٹیکس
	چارپائی
(ش)	
شرکۃ	کمپنی
شوکۃ	کانٹا (جس سے انگریز کھانا کھاتے ہیں)

لفظ	معنے
شمسیہ	چھتری
شمندوفر فرنچ زبان کا لفظ ہے	ریل ..
شنطہ	پوٹ منٹو۔ بڑا صندوق
(ق) شخطورہ	چھوٹی کشتی
(ص)	
(ق) صیدلیہ	عطار کی دوکان
(ق) صھریج	تالاب
صوت	ووٹ
(ض)	
ضو	چراغ۔ لمپ
(ق) ضریبۃ	ٹکس
ضبطیہ	پولس
ضابط جمع ضباط	افسر فوج
(ط)	
ظرف	لفافہ
(ع)	
(ق) علبۃ	ڈبہ
(ق) عیش	روٹی
عیش افرنجی	پاؤروٹی
عمارہ	بیڑہ جہازات
(ق) عربتہ	گاڑی
عجلہ	ایضاً
عمود	اخبار کا کالم
عضو جمع اعضا	ممبر (کمیٹی)

لفظ	معنے
(غ)	
غسیل	کپڑے کی دھلائی
(ف)	
فراطہ	ریزگاری۔ روپیہ کا خردہ
(ق) فلوکہ	ڈونگی۔ چھوٹی کشتی
فطرۃ یا فطور	ناشتہ صبح کا کھانا
فابریقہ۔ انگریزی لفظ ہے	کل وغیرہ کا کارخانہ
(ق) فرجہ	سیر و تفریح
فراجہ	ٹرکش عورتوں کا برقع
(ق) فندق	ہوٹل
(ق) فنجان جمع فناجین	پیالی
(ق)	
(ق) قائمہ	فہرست کتب
قرار	رزولیوشن۔ حکم
قائم مقام	ایک عہدہ کا نام ہے جو ہمارے ہاں کے ڈپٹی کلکٹری کے قریب ہے
قرینۃ	زوجہ۔ بیگم
(ک)	
کفرہ	ٹوپی
کندرہ۔ ٹرکی سے غالباً	بوٹ
کرکدوسہ	شکرم

لفظ	معنے
(ق) کُرَاث بیلہ کا مکے	بسکٹ
کبریت	دیاسلائی
(ل)	
لائحۃ	فہرست
لفتہ	عمامہ جو ٹوپی کے اوپر باندھتے ہیں
لبرہ لوکاندہ عربی نہیں ہے -	پونڈ اشرفی
	ہوٹل
(ق) لجنۃ	کمیٹی
لحظۃ	سکنڈ منٹ کا ساٹھواں حصہ
لیلے	پورڈور لیسٹر جیکہ لفظ طالب العلوم کیلئے استعمال کیا جائے -
لباس	پاجامہ
لبن	دہی
(م)	
مَصَارِی	فلوس پیسے
مُسْتَشفیٰ	اسپتال
مرفا	گھاٹ - بندرگاہ
مومسات	رنڈیاں کسبیاں
مِقَصّ	قینچی
(ق) مُزَیِّن	حجّام
موتمر	کانفرنس
مندوب	ڈیلیگیٹ سفیر وکیل
مجبر	فرنطیبہ
ماموریۃ	نوکری

لفظ	معنے
مدفع	توپ
مَضْبَطَہ	موریل - عرضداشت
مَعْمَل	کارخانہ
معرض	نمائشگاہ
متصرّف	ایک عہدہ کا نام ہے
مُفَتِّش	انسپکٹر
محفظۃ	نوٹ بک یادشت کی کتاب
متحف	عجائب خانہ
مُشَمَّع	موم جامہ
مسکوب	سلطنت روس
مرکن	گلدان
(ق) مِخَدَّۃ	تکیہ
مقلمہ	قلم تراش - چاقو
ملعقہ	چمچہ
(ق) مِظَلَّہ	چھتری
محرمہ	رومال
(ق) مندیل	رومال
منشف	تولیہ
مرکوب	جوتا
مداسہ	سلیپر - گھر میں پہننے کے جوتے
محطّہ	ریل کا اسٹیشن
(ق) مجلّۃ[۱]	میگزین علمی رسالہ

[۱] جاہلیت میں اس کتاب کو کہتے تھے جسمیں حکمت و معرفت کے مضامین ہوں - نابغہ کا شعر ہے رسالہ
مجلتہم ذات الالٰہ دینہم قدیم فمایرجون الا العواقب

لفظ	معنے
مدرعه	آہن پوش جہاز
محکمه	عدالت
محکمة الحقوق	عدالت دیوانی
محکمة الجزاء	عدالت فوجداری
محکمة الاستیناف	عدالت اپیل
محکمة التمییز	ہائیکورٹ
محامی	وکیل
(ق) مینا	گھاٹ
(ق) مرکب	جہاز
ممثل	ایکٹر
مسوکره۔ انگریزی سے ماخوذ ہے	رجسٹری شدہ خط یا پارسل وغیرہ
میزانیه	بجٹ
مصلحة	محکمہ جیسے مصلحۃ البوسطہ یعنی ڈاکخانہ
معاش	پنشن
مجاور	قدیم مدارس کے طالب العلم
محل الادب	پاخانہ
مشعر	چرخی
مادة	دفعہ (قانون وغیرہ کی)
تالیف	کتاب

لفظ	معنے
معارف	سررشتہ تعلیم
صحیفه	اسٹیچو پر کاغذ کی صورت
مزایده	نیلام

(ن)

لفظ	معنے
(ق) ناموسیة	پلنگ
نمسا	سلطنت آسٹریا
ناریة	آتشبازی
نظارة	دوربین
(ق) نظارة	سررشتہ صیغہ
ناظر	سکرٹری
نارگیلة۔ فارسی	حقہ
نهاری	غیر اوڑ طالب العلم انکو خارجی بھی کہتے ہیں۔
نیشان جمع نشانات	تمغہ۔

(و)

لفظ	معنے
وسام	تمغہ
وابور۔ یا۔ بابور عربی نہیں	جہاز
ورقة	ٹکٹ
ورقة الزیارة	ملاقات کا کارڈ
(ق) وصول	رسید
ویرکو۔ عربی نہیں ہے۔	ٹکس
ورق	کاغذ

رکپتان خیرالدین وعروج ۲ کے
تفصیلی کارنامے ترکون کا بحری
اقتدار اور بحیرہ روم کی سہ صد سالہ
حکومت۔ عربی۔ ترکی۔ انگریزی
تاریخون کا لب لباب اور اسپین
کے جلاوطن مسلمانونکا جوش انتقام
اور ساحل اسپین پر ترک تازیان
الجزائر اور ٹیونس کا آل عثمان کے
ظل حمایت مین آنا و دول یورپ کا
حدود بربر پر حاسدانہ جہاد کر کے
منہزم ہونا۔ الجزائر [illegible] کا
جہاد پریویسیا اور لنیڈ کے مشہور
معرکے۔ ۲۰-۲۶ تقطیع سفید
ولایتی کاغذ ۳۰۰ صفحون پر ہے
جسمین بہت سے عمدہ نقشہ جات
بھی شامل ہین اور ایک مقدمہ
اور بارہ باب پر منقسم ہے۔ عہ

مقدس نازنین یا پوپ اگنیس
بالکل نیا اچھوتا اور انتہا سے
زیادہ دلکش ناول۔ پرانی مسیحیت
رہبانیت و علم و فضل۔ ایک
حسین مسیحیہ عورت کا پوپ منتخب
ہو جانا اور آخر مسلمانون کی تدبیر
سے نجات پانا۔ قیمت عہ

ایام عرب ۲ حصہ جاہلیت عرب کے
دلچسپ معنی خیز اور سراپا عبرت
واقعات۔ اُس سادی زمین کی
سرگذشت جسپر بعد کو اسلام
کی داغ بیل پڑی۔ عربی حسن و
عشق کی جیتی جاگتی تصویرین
قیمت۔ ۱۲ر

فردوس برین۔ عجیب پر لطف
اور حیرت مین ڈال دینے والے
اسرار جیتے جی فردوس برین کی
سیر۔ فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کی
سچی تاریخ۔ کوہسار طالقان کی
باطنی سلطنت۔ فلسفہ الٰہی کے
نازک مباحث حقیقی بے نفسی
اور کیادی کی ریاکاری مین
نمایان امتیاز۔ نہایت دلچسپ
اور عبرت انگیز۔ قیمت عہ

فلورا فلورنڈا۔ نہایت دلکش اور
دل پر اثر کرنے والا ناول اسپین
کے عیسائیون کا مجنونانہ تعصب
اور اسلامی خلافت کی معدلت
پروری قیمت عہ

دستور کا یا طلسمی فانوس۔ رینالڈز
کا ناول اور مسلم الثبوت زبان دان
نادرہ سنج منشی سجاد حسین صاحب
ایڈیٹر اودھ پنچ کا ترجمہ۔ اس سے
زیادہ اور کیا ثبوت اس ناول کی
دلچسپی کا ہو سکتا ہے۔ عاً

مظفر ورا بابائی شہنشاہ اورنگ زیب
عالمگیر کے زمانے کا ایک سچا واقعہ
نہایت دلچسپ۔ ۱۲ر

دلکش ۲ حصہ امن طالبعلمون کی حالات
کا نقشہ دلچسپ ناول کے پیرایہ مین کھایا گیا
ہے جو اپنے والدین کی آنکھونسے دور کالجون اور
سکولون مین منچلا پن کر جاتے ہین۔ عہ

یوسف و نجمہ۔ غدر کے حالات
اور ایک شریف خاندان
کی تباہی۔ نہایت پُر اثر
قیمت ۱۰ر

زیادہ اور علاوہ کامل۔ تاریخی
واقعات سے اس ناول کو بہت
آراستہ کیا گیا ہے۔ عیسائیون
کی کرتوتون کا کچا چٹھا کہیئے تو
بیجا نہ ہوگا۔ عیسائی مذہب کے
برگزیدہ لوگون کی کارروائی کا
دفتر ہے۔ قیمت عہ

خوبی قسمت۔ جعلسازی و دغابازی
کی شکست۔ نیک نفسی و پاک
طینتی کی فتح۔ قیمت عہ

نشتر۔ ایک نہایت سچے فارسی
زبان کے قصہ سے بہت ہی پُر اثر
اور فصیح اردو مین ترجمہ کیا گیا عہ
تہیرے کی گئی۔ اصل سے خطا نہین
کم اصل سے وفا نہین۔ ایک البیلا
ناول اردو زبان کا پارسل فلسفہ
کی جان۔ رؤسا کی نازیبا حرکات
کا آئینہ۔ ایک ہندوستانی ریاست
کی حالی تاریخ کا مختصر قصہ۔ ۸ر

حریم۔ ایک باعصمت خاتون کی
سرگذشت۔ اُسکے عجیب وغریب
حالات۔ دہلی کا سچا واقعہ۔ عہ

ہر دلعزیز رشیدا اور دلبر کے عشق
کی پُر درد اور مصیبت ناک کہانی
عموماً نامحرمون سے عورتون کے
بے پردہ رہنے کی باہمی خرابیان
اور خصوصاً نامحرمونسے نہ پردہ
کرنے کی صریحی بُرائیان دکہائی
گئی ہین۔ قیمت ۹ر

کیفر کردار۔ مصنفہ میرزا عبداللہ
حسرت۔ یہ ناول تیس برس کی
کتب بینی و ناول خوانی کا ثمرہ
ہے۔ ہر مذاق کے انسان کیلئے
دل لگی کے ساتھ وقت گذارنیکا
مفید مصالحہ۔ عہ

مشتاق وزیر گیرہ۔ محمد واجد علی شاہ
آخری نواب اودہ کے زمانہ کے
دلچسپ حالات۔ ایک معزز خاندان
کی تباہیون کا حسرتناک ذکر۔ غدر
کے عبرت خیز واقعات۔ عہ

شادی غم۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ کے
ایک دلکش واقعہ کا فوٹو جسمین
اسلامی جبروت کے ساتھ ہی
راجپوتون کے استقلال۔ انکی
جی داریون اور قومی حمیت کا
پورا حال معلوم ہوتا ہے۔ عہ

تسخیر۔ شہر اور دیہات کی طرز
معاشرت مین فرق بتایا گیا ہے
اور غریب دیہاتیونکی سادگی اُنکی
غلطیان۔ شہر والون کو چالاکیون
مین اُڑایا گیا ہے۔ ۸ر

وقائع نادری۔ نادر شاہ ایرانی
کی سرگذشت جو ایک انگریز نے
اُسکے کیمپ مین رہکر لکھی ہے جملہ
ہندوستان کے مشرح اور تاریخ
وار حالات تفصیل کے ساتھ درج
ہین۔ قیمت ۱۰ر

نئی نویلی۔ بہو بیگم کا قصہ ظریفانہ
اور نصیحت آگین پیرایہ مین لکھنؤ کے
محلات کی زبان لکھی گئی ہے۔ ۱۲ر

المشتہر سید ظہور الحسن مہتمم احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک۔ سنہ ۱۳۱۹ھ